

جاسوسی دنیا نمبر 25

ختنک ہنگامہ

(مکمل ناول)

انجمنے اشارے

مکہ سراغِ رسانی کی عمارت کے کلاک ناول نے نوجائے اور رات کا سناٹا پکھ اور گمراہ ہو گیا۔ وسطِ دسمبر کی ایک ناریک اور انتہائی سرد رات تھی۔ کہرے کی وجہ سے ستارے بھی دھم نظر آ رہے تھے۔ سردی کی شدت میدانی علاقے میں بھی رنج بست پہاڑوں کی یاددا رہی تھی۔ ابھی نو ہی بچے تھے لیکن سنائے کا یہ عالم تھا جیسے کافی رات گزر گئی ہو۔ اگر کبھی سڑک پر ایک آدھ کار گزرا جائی تو سکونت پکھا اس طرح نوتھا جیسے کسی مریض نے کراہ کر کروٹ بدی ہو اور پھر بنے خیر ہو گیا ہو۔

مکہ سراغِ رسانی کے آپریشن روم میں تقریباً تمام مقامی ہی آئی ڈی انپکٹر موجود تھے۔ ان میں رات کی ڈیوٹی والے بھی تھے اور دن کی ڈیوٹی والے بھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے انہیں ایک خاص مقصد کے تحت اس وقت یہاں آکھا کیا تھا اور خود موجود نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی راتوں سے ٹرانسیمیٹر پر کچھ عجیب و غریب آوازیں سنی جا رہی تھیں۔ افران بالا کا خیال تھا کہ وہ کوئی خاص قسم کی اشاراتی زبان تھی اور کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کی جا رہی تھی۔ آپریٹر اسے پچھلی دو راتوں سے برادری کا رد کر رہا تھا۔ اس کی ایک ایک کاپی مکہ کے سارے انپکٹروں کے پاس پہنچا دی گئی تھی لیکن کوئی ابھی تک اس کا مفہوم نہیں پیدا کر سکا تھا۔ آخر افران بالا نے تھک ہار کر یہ فیصلہ کیا کہ وہ سب آج رات کو بذاتِ خود آپریشن روم میں موجود رہیں۔

یہ آوازیں تھیک دل بچے رات کو ٹرانسیمیٹر پر سنائی دیتی تھیں۔ آپریٹر کا بیان تھا کہ اس معمول میں ابھی تک فرق نہیں آیا تھا۔

اپنیا کا عظیم سراغِ رسانی فریدی سب سے الگ تھلگ بینھا آپریٹر کی روپرٹ پڑھ رہا تھا۔ سیاہِ الشر میں جس کے کارکنوں تک کھڑے ہوئے تھے اس کا خوبصورت چہرہ بڑا حسین لگ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور ہونٹ تدرے سکنگے تھے۔

”ہم لوگ تو محض جمک مارنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔“ اس کے کافوں میں انپکٹر آصف کی آواز گوئی جو ابھی ابھی آیا تھا اور دروازے میں کھڑا پرستخرا نداز سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دوسرے انپکٹر ہٹنے لگے۔ لیکن نہ جانے کیوں ان کے قبیلے فریدی کی ہلکی مکاریت کے آگے بے جا معلوم ہو رہے تھے۔

یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ فریدی کے سارے ساتھی اس کی دولتِ شہرت اور مقبولیت کی بناء پر اس سے جعلے لگے تھے اور موقع بے موقع اس پر ٹھوڑ کرنے اور پچھتیاں کئے سے باز نہیں آتے تھے۔ اس کے ساتھ کے سبھی انپکٹر معمراً اور بیعم خود جہاندیدہ اور تجریب کار تھے۔ لہذا وہ اپنے مقابلے میں ایک ”نوجوان انپکٹر“ کو آگے بڑھتے کس طرح دیکھ سکتے تھے۔ انپکٹر آصف ان سب کا پیش رو سمجھا تھا اور وہ تھا بھی ان سب سے سینٹر لیکن کارکردگی میں کسی رنگروٹ سے بھی بذریعہ۔ فریدی عموماً اس کی باتوں کوہن کرتا ہے اور یہ کا عادی تھا۔ آصف چونکہ اس سے عمر میں بہت بڑا تھا اس نے وہ اس کا احترام کرتا تھا لیکن کبھی کبھی خود اس کی چھیڑ چھاڑ فریدی کو بے تکلفی پر آماڈہ کر دیتی تھی۔

”ای لئے میں آپ سب سے کافی فاصلے پر بینھا ہوں۔“

”بچوں کا ہم لوگوں میں کام ہی کیا۔“ آصف نے کہا اور اپنا اور کوٹ اتنا رکھنے لگا۔ فریدی اسے دیکھی سے دیکھ رہا تھا۔ آصف نے جیب سے رومال نکلا اور ناک پر رکھ کر دو تین کریبہ آوازیں نکالنے کے بعد ایک کری پر بینھ گیا۔

”آصف بچا.....!“ انپکٹر سنگھ بولا۔ اب تمہارا بڑھا پا ہے بچے ہی انگلی پکڑ کر تمہیں

پلا میں گے۔

انپکڑنگھ بھی ایک نوجوان آدمی تھا۔ فریدی سے اس کے گھرے تعلقات تھے۔ اس لئے وہ بھی انہی چند انپکڑوں میں سے تھا جو اپنی عمر اور کارکردگی کی وجہ سے پرانے انپکڑوں کی طعن، تشفیج کا شکار ہوتے تھے۔

”ہمارے سامنے کے شیرخوار ہو۔“ آصف گزدن اکڑا کر بولا اور سگرہٹ سکانے لگا۔

”اور یہی شیرخوار کچھ دنوں کے بعد ڈی۔ ایس۔ پی اور ایس۔ پی ہو جائیں گے۔“ لیفینٹ سعید نے کہا۔

لیفینٹ سعید ملٹری کی سیکرٹ سروس سے مرکزی سی۔ آپ۔ ڈی میں آیا تھا اور اس کا شمار بھی مجھے کے نوجوان انپکڑوں میں ہوتا تھا۔

”نوجوانی کے خواب کافی حسین ہوتے ہیں۔“ انپکڑ آصف مسکرا کر بولا۔ ”بھی تے ترقی کے چکر میں پڑ کر ان خوبصورت دنوں اور سحر انگیز راتوں کو بر باد نہ کرو۔ جاؤ میرے پچوا یہ سردار اس نے نہیں کرم بھائی سر کھاؤ۔“

”پھر بھائی جائیں.....؟“ فریدی نے مضمونیت سے پوچھا۔

”تم ذمیکار ہی پوچھ رہے ہو۔“ آصف نے طنز آمیز مسکراہٹ کی ساتھ کہا۔

”کیوں.....؟“

”تباہے تمہیں عورتوں کے قریب بھی کر چکر آنے لگتے ہیں۔“

اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ فریدی کے ہونتوں پر اب بھی وہی خود اعتمادی کی مسکراہٹ تھی۔

”پھر تم اس خیال سے آتے ہیں کہ آخر انہیں بوڑھے کس طرح سنبھالتے ہوں گے۔“

اس نے کہا۔ ”خصوصاً وہ بوڑھے جن سے پستہ قدور تسلی بھی نہیں سنبھالی جاتیں۔“

آصف چونکر فریدی کو گھومنے لگا اور فریدی نے ایک چھٹ شگاف قہقہہ کایا۔

”ایک بے شکی بات کہہ کر اس طرح قہقہہ لگانا یقینی کی علامت ہے۔“ آصف بھنا کر بولا۔

”میں دراصل یہ عرض کر رہا تھا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”جب بوڑھوں سے رقص گاہوں کو پناہ ملے گی تو ہم نوجوان بھی اس کے متعلق کچھ سچ سکیں گے۔“

”کیا مطلب.....؟“ آصف پھر اسے گھومنے لگا۔

”کیا آپ کچھ دیر قبل ہوئی ڈی فرانس میں ایک پستہ قدورت کے ساتھ نہیں تاج رہے تھے؟“

”دوسروں کی ٹوہہ میں رہتا کہیں پن ہے۔“ آصف جلا کر بولا۔

”خیر اس کہیں پن میں تو ہم سب سرکاری طور پر بتلا ہیں۔“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ”مسٹر

پر شر اس بات کے شاہد ہیں کہ میں پانچ بجے سے اسی کمرے میں موجود ہوں۔“

”تب تم نے کسی سے سنا ہوگا۔“

”مسٹر آپ پر شر یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ کوئی اس وقت سے میری کری کے قریب بھی نہیں آیا۔“

آپ پر شر نے فریدی کی تائید کی۔

”کیوں استاد آصف.....!“ انپکڑ بزرگی نے قہقہہ لگایا۔ ”ہم تمہیں قطعی اگر بیو آدمی سمجھتے تھے۔“

”بھوٹ ہے! بکواس ہے۔“ آصف نے جلا کر کہا اور فریدی کو گھومنے لگا۔

”میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ آپ پن تین راؤٹھ ناچے تھے۔“

آصف نے بوکھلا کر اپنے کوٹ کے اوپری جیب پر نظر ڈالی۔ ایک خوش رنگ روپال کا کونہ

اوپر لگلا ہوا تھا۔ جسے اس نے جلدی سے اندر کر لیا۔

”اوہ..... اس روپال کی نیام پر تم ایسا کہہ رہے ہو۔“ آصف نے مذکور کر کہا۔ ”ہو سکت

ہے کہ یہ کسی دوسرے کا ہو۔“

”نہیں جتاب یہ قطعی آپ کا ہے۔“ فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔

”اور یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں آج پہلی بار ہوئی ڈی فرانس

کے رقص میں شرکت کی تھی۔“

”بالکل بکواس ہے۔“

”اگر یہ روپال کی اور کا ہوتا تو وہ اسے اس کے صحیح مصرف میں لا لایا ہوتا۔“

”صحیح مصرف.....؟“ انپکڑ بزرگی نے فریدی کو ٹوکرایا۔

”بھی یہاں یہ روپال ہوئی ڈی فرانس والوں کی ایک اعتمانی جدت ہے۔ اگر آپ پن تین راؤٹھ

کی لکڑ خریدیں تو آپ کو نکشوں کے ساتھ اس قسم کا ایک روپال بھی ملے گا جو قطعی اس قابل نہیں

ہوتا کہ کسی اوپنے مذاق کی آدمی کے استعمال میں رہ سکے۔ پھر اگر یہ رومال واپس کر دیا جائے تو ایک راؤٹر کا نکٹ مفت میل جاتا ہے۔ صرف انہڑی ہی اسے استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ ورنہ جانے والے اسے واپس کر کے ایک راؤٹر مفت ناخ لیتے ہیں۔“

”تم میری توہین کر رہے ہو۔“ آصف گرجا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس کے نوجوان ساتھی بھی دل کھول کر ہنس رہے تھے اور اس وقت وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ جو ان سے پرخاش رکھتے تھے۔ آصف نے جب کوئی صورت پچاؤ کی نہ دیکھی تو وہ خود بھی ہٹنے لگا۔

”خیر..... خیر.....!“ آصف نے بلند آواز میں کہا۔ ”میری جیب میں یہ رومال دیکھ کر کوئی بھی واقف کا راتی باتیں بتا سکتا تھا۔“

”لیکن شاید وہ یہ نہ بتا سکتا کہ آپ کی ہم رقص پستہ قدحی۔“ آپکر شکھ بولا۔

”یہ غلط ہے۔“ آصف نے بگڑ کر کہا۔

”قطیعی صحیح ہے۔“ فریدی خود انعامی کے ساتھ بولا۔ ”اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ ایک بار ناپتے ناپتے بری طرح لڑکھڑائے بھی تھے مگر گرے نہیں! ہاں تو جتاب سونگ لینے سے پہلے آپ اپنی طاقت اور عورت کے وزن کا اندازہ ضرور لگالیا کیجیے۔“

آصف منہ چھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تم غلط کہتے ہو! تم وہاں نہیں تھے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”مسٹر آپ پریٹر.....!“ فریدی نے آپ پریٹر کو خاطب کیا۔

”یہ حقیقت ہے کہ مسٹر فریدی پانچ بیجے سے میہیں اسی کمرے میں موجود نہیں شاید ایک اپنا اسرائیل پینے کے لئے گئے تھے۔“ آپ پریٹر نے کہا۔

”تب کسی اور نے اطلاع دی ہوگی۔“ آصف نے کہا۔

”کسی نے بھی نہیں..... یقین کیجیے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”تب تم آدمی نہیں ہو..... بھوت ہو۔“

”ہو سکتا ہے کہ یہ بات درست ہو۔“ فریدی کی آنکھوں میں شرارت آمیز پیک پیدا ہے۔

اور وہ سکار سکانے لگا۔

”مگر یا تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ عورت پستہ قدحی۔“ یقینیت سعید نے پوچھا۔

”چھوڑو بھی کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔“ آپکر آصف نے اکتا کر کہا۔

”واہ بچا.....!“ آپکر شکھ نے قہقہہ لگایا۔ ”ذرابچوں کو بھی تو لطف اندوڑ ہونے دیجئے۔“

فریدی شرارت آمیز نظرؤں سے آصف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”جب کسی شریف آدمی کے سینے پر۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”اپ اسک کا دھبہ دکھائی دے تو بھی سمجھنا چاہئے کہ عورت پستہ قدحی۔ اگر کاندھے پر بھی دھبہ دکھائی دے تو عورت ہر حال میں دراز قد سمجھی جائے گی۔ لیکن یہ دھبے عموماً بے سانحگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ناپتے ناپتے دونوں لڑکھڑا جائیں اور گرنے کے خوف کی وجہ سے اپ اسک کی تہہ بگڑنے کا دھیان نہ رہ جائے۔“

آصف نے یوکھلا کر اپنے سینے پر نظر ڈالی۔ سفید قیمتیں پر ایک واضح قسم کا دھبہ موجود تھا۔

آپکر شکھ نے قہقہہ لگائے اور وہ جلاہٹ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ قہقہے اور تیز ہو گئے۔

”کون جانے یہ حضرت اسے لے کر گری بی پڑے ہوں۔“ آپکر بزری ہنستا ہوا بولا۔

”نہیں.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ دھبہ پھیل جاتا۔ آصف صاحب

گرتے گرتے سنبھل گئے تھے۔“

”مگر یا تم نے کپڑا خوب۔“ یقینیت سعید بولا۔ ”اپنا جواب نہیں رکھتے۔“

فریدی بجا ہوا سکار سکانے لگا۔ اتنے میں کیشیں کا یہ را کافی لے کر آیا۔ اسی کے پیچے

بیچھے آپکر آصف بھی داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار تھے۔ ایک بار پھر آپریشن

روم قہقہوں سے گونج اٹھا۔ آصف ہونٹ سکوڑے ہوئے ایک پیالی میں کافی انڈیل رہا تھا۔

”میرے خیال سے تو اس وقت مختدرا پانی زیادہ مناسب رہے گا۔“ یقینیت سعید مسکرا

کر بولا۔

”تم بدیمیز ہو۔“ آصف اس کی طرف پلٹ پڑا۔

”شت اپ.....!“ یقینیت سعید پیریخ شکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”تم تھیک کہتے ہو۔“ سعید اپنے ہوتون پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ ”یہ گھر گھراہٹ کی کار ہی کی تھی۔“

”لیکن یہ تھی۔“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”یہ کسی غیر ملکی کی نہیں تھی۔“

”تمہیں دھوکا ہوا ہے۔“ انپکڑ بڑھی نے کہا۔ ”وہ تھیں نہیں تھی۔“

”آپ پریٹر..... ریکارڈ لیا ہے؟“ فریدی نے آپ پریٹر سے پوچھا۔

”تھی ہاں.....!“

”سناو.....!“

تحوڑی دیر بعد آپ پریٹر نے ریکارڈ سنایا۔ تھی موجود تھی۔ ”ارے باپ“ صاف سنائی دیا۔ ”آخر یہ ہے کیا بلا.....؟“ انپکڑ نگہ نے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی نیا سگار سلاکار ہاتھا۔

”اس میں دونام بھی لیے گئے ہیں۔“ وہ تحوڑی دیر بعد بولا۔ ”اویسو ہاورڈ اور سیسل براؤن۔“

”یہ پ اسک کے دھبؤں پر نظر رکھتے والوں کے بس کاروگ نہیں معلوم ہوتا۔“ آصف نے مسکرا کر کہا۔

فریدی جواباً مسکرا کر رہا گیا۔

”اس بار تو وہی تیرماریں گے جن سے ہوتیں نہیں سنبھلتیں۔“ سعید نے قہرہ لگایا۔

”میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔“ آصف تھیج بھجے میں بولا۔

”میں خود چھوڑ رے آدمیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔“

”من میں لگام دو۔“ آصف کھڑا ہو گیا۔

”یا تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔“ فریدی نے کہا اور سعید کو کھینچتا ہوا باہر لایا۔

”تم دل مت دیا کرو۔“ سعید ہانپا ہوا بولا۔ ”اس کے کیڑے جھاڑنے ہی پڑیں گے۔“

”اوہ..... چلو..... آؤ۔“ تحوڑی تفریخ ہو جائے۔ تم نے ابھی کھانا نہ کھایا ہو گا۔“

فریدی کی کیڈی لاک کولتا رکی چکنی بڑک پر چھل رہی تھی اور اس کا ذہن ان آوازوں سے زیادہ اس تھیں میں الجھا ہوا تھا۔

آصف بیالی رکھ کر اسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔ فریدی اٹھ کر ان کے درمیان آگیا۔

”سعید اماق کو مذاق ہی میں رہنے دو۔“ وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”میں نے اسے مذاق کی حدود سے نہیں نکالا۔“ سعید آصف کو گھورتا ہوا بولا۔

”خیر! چھوڑو..... فضولیات میں کیا رکھا ہے۔“ فریدی نے کہا اور اسے دوسری طرف دھکیل لے گیا۔

پھر وہ سب خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ آصف اور سعید اب تک ایک دوسرے کو گھوڑے جا رہے تھے۔

”دھنٹا ٹرانسیور کے رسیوگ سیٹ کی آواز بلند ہو گئی۔“

”تکل ٹکل ٹاک“ وہ سب چوک پڑے۔ رسیوگ سیٹ سے آوازیں آتی رہیں۔ ”رف تکل ٹٹ لیٹ تکل ٹاک..... اویسو ہاورڈ..... تکل شیپ شیپ رافت..... سیسل براؤن..... ڈفی لاک لاک..... ٹافت.....!“

بولنے والا تھجے کے اعتبار سے دیکی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سب غور سے سنتے رہے۔

”رک..... رک..... روٹھی تکل ٹاک..... پلیٹ ہاف..... تکل تکل..... ارے باپ۔“

”یہ تھی کیسی؟“ فریدی اچھل کر بولا۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”تکل تکل“ کے فوراً بعد ایک جیجھی سنائی دی تھی اور یہ تھی قطی دیکی تھی۔ جیجھے والا اردو میں چیخا تھا۔ پھر بکلی بکلی گھر گھراہٹ سنائی دینے لگی۔ ”تکل تکل“ اور دوسری آوازیں بھی سنائی جائیں۔ جن کے پس منظر میں گھر گھراہٹ برابر جاری تھی۔ پھر تحوڑی دیر بعد سناتا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے ان کے ہونت سل گئے ہوں۔

سب سے پہلے فریدی ہی بولا۔

”میرے خیال سے یہ جس ٹرانسیور کی آوازیں ہیں وہ کسی کار میں فٹ ہے۔“

وہ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

”مگر یہ تھی کیسی تھی؟“ وہ آہستہ سے بڑھا گیا۔

”پر شنڈنٹ نے تا حق اتنی بھیڑ اکٹھا کی تھی۔“ سعید بولا۔
”کیوں؟“

”اس قسم کے اشارے نہ تو اپنے یہاں ملٹری ہی میں رانگ چیں اور نہ ہی مرکزی ہی آئی ڈی میں۔“
”یہ تو ہے۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔

”ظاہر ہے کہ یہ سب بچارے الگیوں کے نشانات کے ماہر ہیں۔“
”مگر پار..... وہ جیخ۔“ فریدی نے دھیرے سے کہا۔

”وہ اور زیادہ حیرت انگیز تھی۔ جیخ کے ساتھ ہی کچھ دیر کیلئے وہ آوازیں بند ہو گئی تھیں۔“
”اور پھر گھر گھرا ہٹ سنائی دی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور ان آوازوں کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا تھا۔“

”تم کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہو؟“ سعید نے پوچھا۔
”نہیں حال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی ایسے ٹرانسپر کی آوازیں تھیں جو کسی کار میں فٹ ہے۔“

سعید کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر کہنے لگا۔
”اور وہ مجھے تقریباً زبانی یاد ہے۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن یہ اشارے میرے لئے قطبی نے تھے۔ دوسرا جگہ عظیم میں بعض پارٹیوں نے نئے اشارے اختراع کئے تھے ان میں سے کچھ بھی معلوم ہیں لیکن یہ ان میں سے بھی نہیں تھے۔“ کیڈی لاک سے پول ہوٹل کے سامنے رک گئی۔

اور وہ دونوں اتر کر اندر چلے گئے۔ ایک ہسین اور خوش گلور قاصہ اشیج پر رقص کر رہی تھی۔
لیکن فریدی کا ذہن ان آوازوں میں الجھا ہوا تھا۔

چوت

107
ناموشی چھائی ہوئی تھی۔ آدمی رات کے ستارے نہداں آنکھوں سے اپنے نیچے پھیلی ہوئی بیکار غلاؤں میں گھور رہے تھے۔ کرام رپورٹ انور نے بے خبری میں کروٹ لی اور سرزاک کے نیچے لاحک آیا۔ اس کے چاروں طرف سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بکھرا ہوا تھا اور سر پر سیاہ اور ٹھنڈی رات اپنے تاریک بازو پھیلائے منڈلارہی تھی۔

وختا وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا اور بے ساختہ اپنے سر کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ زخم سے بہر ہوئے خون کے مجدد لختے بالوں میں چھینے لگے۔ وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اس کا یہ فضل قطبی مشین رہا ہو۔ تقاضہ ضرور محسوس ہو رہی تھی اور رات کی تاریکی سے معمول سے زیادہ گہری نظر آ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی اپنے اعضاء میں چھتی بیدا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی چھوٹی سی تاریج بدستور موجود تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ اسے استعمال کرنے کے بجائے اپنی دکتی ہوئی آنکھوں پر زور دینے لگا۔

نائی کا تسلیم بدستور قائم تھا۔ انور ایک درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت آہتہ آہتہ واپس آ رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر جیب سے رومال کھال کر زخم پر باندھتا ہوا مغربی نشیب میں اترنے لگا۔ جہاڑیوں کی سر را ہٹ سناٹے میں پھیل رہی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی آہٹ کا خفتر ہو۔

پھر اس نے جیب سے تاریج نکالی اور جہاڑیوں میں روشنی ڈالنے لگا۔ اس کی موڑ سائیکل جوں کی توں موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ سردی یونہی شدید اس پر سے طوفانی رفتار سے دوڑنے والی موڑ سائیکل پر ہوا کے طما نچے..... انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے زخم پر برف کے ہتھوڑے پڑ رہے ہوں۔ اس پوکم میں شاید درد بھی مجدد ہو گیا تھا۔ زخم کی جگہ پر ایک بڑا سادھتا ہوا پھر معلوم ہو رہا تھا اور سر اتنا بھاری لگ رہا تھا جیسے ذرا سی بے اختیاطی اسے گردن سے نیچے لٹھ کا رے گی۔

شہر کی سفсан مگر روش را ہوں سے گزرتے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں موڑ سائیکل فٹ پانچ پر نہ پڑ جائے اس کے ہاتھ بُری طرح کا پر رہے تھے اور اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سردی شباب پر تھی۔ شاہراہیں سفسان ہو چکی تھیں۔ خصوصاً شہر کے باہر تو قبرستان کی ک

وہ پھر بیویوں ہو جائے گا۔

آخر کار اس نے ایک پیک ٹلی فون بوچھ کے سامنے موڑ سائیکل روک دی۔ پچھے دور، کھڑا ہوا ستری چوک پڑا۔ وہ اسے شک آلوڈنٹروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی انور ٹلی فون بڑے کی طرف بڑھا اس نے آواز دی۔

”کون ہے؟“

انور رک گیا۔ ستری اپنے جوتوں کی آواز سے سنائے میں گونج پیدا کرتا ہوا اس کے قریب آیا۔

”کیا بات ہے؟“

”فون کروں گا۔“

”جانتے ہو کیا وقت ہے؟“ ستری نے پوچھا۔

”دو.....!“ انور نے کلائی پر بنڈھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”پھر.....؟“ ستری کی تیز نظریں انور کو شٹو نہ لگیں۔

انور کو خیال آیا کہ بوچھ تو کبھی کابند ہو چکا ہو گا۔

”اوہ..... مجھے دھیان نہیں تھا۔“ انور موڑ سائیکل کی طرف پڑا۔

”مہر و.....!“ ستری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ پھر انور کے قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”کہیں دنگا فساد کیا ہے؟“ اس کی نظریں چوٹ پر بنڈھے ہوئے رومال کی طرف اٹھ گئیں۔ بول رہا ہوں..... ولی گنگ کے تھانے سے..... مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ آپ تک پہنچ سکوں۔ فرا آئیے۔“

انور سیور کھر کر ایک کری پر بیٹھ گیا۔ انچارج اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”آخر بات کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔“

”کیا انپکڑ فریدی صاحب کو فون کیا ہے؟“

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”نہیں، گر گیا تھا۔“

”کہاں.....؟“

انور جھنجھلا گیا۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید وہ اس کے منہ پر تھپڑ مارنے سے باز نہ آتا۔ اس وقت جب کہ ایک قدم اٹھانا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا خون کا گھونٹ پی کر رہے ہی جانا پڑا۔

”فون کرنا ضروری ہے۔ میں اس حالت میں گھر تک نہیں پہنچ سکتا۔“ اس نے کہا۔

ستری چند لمحے تک اسے دیکھ رہا پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔

”تھانے سے کر دو۔“

”اوہ.....!“ انور کے جسم میں پھر سے تو نہیں آگئی۔ وہ بھول ہی گیا تھا کہ قریب ہی تھاں بھی ہے۔

”اچھا دوست.....!“ انور نے سکرا کر کہا۔ ”ذرایہ موڑ سائیکل دیکھنا، تھانے والے مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔“

اس کے جانے کے بعد بھی ستری کافی دریک تک وہاں کھڑا رہا۔

تھانے کا انچارج انور کو اچھی طرح پہچانتا تھا اسے اس حال میں دیکھ کر مسکرا دیا۔ ”کہے قبل خریت تو ہے؟“

”میں ذرا فون کروں گا۔“

اس نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ڈائل پر اٹھی رکھی اور پھر پلٹ کر انچارج کی طرف دیکھنے لگا۔ جو متن خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”یہ چوٹ کیسی ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”یہ گر گیا تھا۔“ انور نے کہا اور غیر ملائے لگا۔

”ہمبل..... فریدی صاحب ہیں..... اوہ..... آپ..... آپ جاگ رہے ہیں۔ میں انور

بول رہا ہوں..... ولی گنگ کے تھانے سے..... مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ آپ تک پہنچ سکوں۔

”فرآئیے۔“

انور سیور کھر کر ایک کری پر بیٹھ گیا۔ انچارج اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”آخر بات کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔“

”کیا انپکڑ فریدی صاحب کو فون کیا ہے؟“

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

انور نے ساختہ اچھل پڑا۔ وہ اندر میں آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھور رہا تھا۔
فریدی نے ہلاکا ساق تھپہ لگایا۔

”آپ کو کیسے معلوم ہوا.....؟“

”میں نے تمہاری جیخ سن تھی۔“ فریدی بولا۔

”اور اس پر بھی آپ نے مجھے دہاں پڑا رہنے دیا۔“ انور نے ناخنگوار لبجھ میں کہا۔

”تم غلط سمجھے! مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تم تھے کہاں؟“

”پھر.....؟“

”میں نے تمہاری جیخ ڈرامسٹر پر سن تھی اور تمہارا الجہ صاف پچھانا تھا۔“
انور خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ کار تھی؟“

”وہ آسانی سے معلوم ہو گیا تھا۔ تمہاری جیخ کے فوراً بعد ہی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز
نئی دی تھی اور کار کے اینجن کی آواز کے ساتھ تھی کافی ڈریں گے وہ اشارے بھی نے جاتے رہے تھے۔“

”میں کئی دنوں سے اس کار کے پیچے لگا ہوا ہوں۔“

”ہوں.....!“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”اس کے متعلق کچھ اندازہ بھی لگایا۔“

”اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی غیر ملک کے جاؤں ہیں۔“

”ان میں کسی کی شکل بھی دیکھی ہے؟“

”نہیں..... اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔“

”کار کا نمبر.....؟“

”اندر رہا تھا.....!“

”خیر.....!“ فریدی نے طویل سائز لے کر کہا۔ ”طمینان سے باقیں کریں گے۔“

غمگینچ کر فریدی نے انور کے زخم کی ڈریں گے کی اور تھوڑی دیر ہیں اس کے چہرے پر
نظریں جائے رہا۔

”براعظی دوں.....؟“ اس نے پوچھا۔

”سب تو کوئی خاص یعنی بات ہو گی۔“ انچارج سر ہلاکر مسکراتا ہوا بولتا
انور جواب دینے کی بجائے سگر ہٹ سکا نے کہا۔

”یقیناً کسی سے لا کر آ رہے ہو۔“ انچارج نے کہا۔

”پہنچنیں آپ لوگ مجھے میں کیوں سمجھتے ہیں۔“ انور کے لبجھ میں تھی تھی۔

انچارج تھوڑی دیر ہیک اسے پر تھخرا انداز میں دیکھا رہا پھر ایک طرف ٹرکر او ٹھنکنے لگا۔

انور اپنے جسم کو گرم رکھنے کے لئے سگر ہٹ پر سگر ہٹ پھونک رہا تھا۔

تقریباً پندرہ یا تین منٹ کے بعد ستری انور کی موڑ سائیکل دھکیلا ہوا تھا نے میں سے
آیا۔ اسے غالباً یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ کوئی جرم تھا جو اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے موڑ سائیکل
اس کی حفاظت میں دے کر خود کھینچ فرار ہو گیا۔

انور کو انچارج کے قریب بیٹھا دیکھ کر اس نے طمینان کا سانس لیا۔

”صاحب آپ کی موڑ سائیکل برآمدے میں رکھی ہے۔“ اس نے انور سے کہا اور واپس
چلا گیا۔

انچارج ایک لحظہ کے لئے چوک کر پھر او ٹھنکنے لگا۔

ڈھانی بجے اسکپر فریدی تھانے میں داخل ہوا۔ انچارج نے چوک کر اس کی طرف دیکھا
پھر کھڑا ہو گیا۔

”بڑی دیر سے پوچھ رہا ہوں۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”گرانہوں بنے پکھ بتایا ہی نہیں۔“

فریدی نے انور کے سر پر بندھے ہوئے رومال کو بغور دیکھا۔ پھر انچارج کی طرف
دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو چبیش دی۔

”آؤ ٹپیں.....!“ اس نے انور سے کہا۔ ”موڑ سائیکل بیٹھنے دو۔“

انچارج نے اردو کی آواز دی۔

”موڑ سائیکل اندر رکھ دو۔“ اس نے اردو سے کہا۔

فریدی کی کیلئی لاک سنان سرکوں سے گزر رہی تھی۔

”تو تم اس کار کے پیچے لگ گئے تھے؟“ فریدی نے کہا۔

”آپ جانتے ہیں کہ میں نہیں پیتا۔“

”اور میں تمہاری اصول پرستی کی قدر کہنا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بہر حال سردی شدید ہے۔ تھہرو..... میں کافی بیٹھا ہوں۔“

”آپ.....؟“

”ہاں..... رات کو میں کسی توکر کو جھانا پسند نہیں کرتا۔“

فریدی نے بہر لارک اس پر کافی کے لئے پانی روک دیا۔

”ہاں..... اب کہہ چلو.....!“

آج سے چار دن قبل میں رات کو تارجم سے آ رہا تھا۔ راستے میں میں نے اس کا روک دیکھا اور اسے نظر انداز کر کے شہر واپس آ گیا۔ دوسرا رات پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ کارٹھیک اسی مقام پر دھماکائی دی لیکن میں جلدی میں تھا اور اس رات بھی میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ تارجم میں میں نے تھوڑا سا برنس بھی شروع کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر رات گئے تک مجھے وہاں تھہرنا پڑتا ہے۔ بہر حال تیری بار اس کا روک دیکھ کر مجھے اسے اہمیت دیتی ہی پڑی۔ لہذا آج میں تارجم جانے کی بجائے سر شام ہی وہاں جا کر چھپ گیا۔“

انور سگریٹ سلاگانے کے لئے رک گیا۔ فریدی کی نظریں بہر پر رکھی ہوئی لیتی پر جھی ہوئی تھیں۔

”ٹھیک دس بجے کار وہاں پہنچ میں قریب ہی جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔“ انور سگریٹ کا طویل کش لے کر بولا۔ ”اور بھر کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ لبھ یور و پین قہا۔ لیکن زبان..... اس کے متعلق خود آپ ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ کسی قسم کے اشارے تھے۔“

انور خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جو انہیں تک لکھتی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں جھاڑیوں سے نکل کر کار کی پشت پر آ گیا۔ دراصل میں بولنے والے کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ کار میں انہیں رکھا۔ البتہ میں نے یہ اندازہ ضرور لگایا کہ اس میں کئی آدمی تھے اور پھر شاید کسی نے پیچھے سے مجھ پر حملہ کیا۔“

”کار کا رنگ اور مودل وغیرہ بتا سکو گے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ ۳۶ء کی فورڈ تھی۔“

”تھوڑی دیر بعد کافی تیار ہو گئی۔“

”اب اس وقت گھر تو جاؤ گے نہیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.....!“ انور نے کہا۔ ”لیکن میں حید کے کمرے میں نہیں لیشوں گا۔“

فریدی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”نہیں..... وہ گھر میں ہے نہیں۔“

”تب میں خوش نصیب ہوں۔ خواہ تھواہ بھیجا چاٹ کر رکھ دیتا ہے۔“

فریدی نے کافی کی پیالی انور کی طرف بڑھا دی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔

سر جنت حید کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سیاہ سوت پر المیر پہن رکھا تھا۔ فلٹ بیٹھ سر کی پشت پر چپکی ہوئی تھی اور بال پیشانی پر لٹک آئے تھے۔ کمرے میں ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھنک گیا۔ شاید وہ یہ سمجھا تھا کہ فریدی سو گیا ہو گا اور وہ چپ جا پ اپنے کمرے میں چلا جائے گا۔ پھر صبح کو اس سے کہے گا کہ وہ تو گیارہ بجے ہی واپس آ گیا تھا۔ بہر حال انور کے سر پر پی بن گئی دیکھ کر اس کے ذہن نے قلبازی کھائی اور قمل اس کے کفریدی اس سے اتنی رات کچھ گھر آنے پر باز پرس کرتا۔ حید انور کو مخاطب کر کے بولا۔

”تو آپ یہاں مزے کر رہے ہیں اور وہ بے چاری رشیدہ پریشان ہو رہی ہے۔“

فریدی نے حید کو گھوڑ کر دیکھا۔

”جی ہاں۔“ حید اپنی فلٹ بیٹھ اتار کر میز پر اچھاتا ہوا بولا ”آپ آج شام کو چند غندوں سے لا کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ اس وقت سے میں اور رشیدہ نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔“

”کس نالی کا کچھ چاٹ کر آ رہے ہو؟“ انور نے مسکرا کر پوچھا۔

حید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے تیز بجھے میں پوچھا۔

”کہاں تھے؟“

”بیٹایا تو کہ رشیدہ کے ساتھ.....!“

”انور کی علاش کر رہے تھے۔“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"مجی ہاں.....!"

"اور انور کہاں تھا.....؟"

"جہنم میں.....! حمید جلا کر بولا اور کیتی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"شامت آئی ہے۔"

"پتہ نہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتی۔" حمید نے لاپرواں سے کہا اور پیالی میں کافی اٹھیلنے لگا۔

پھر انور کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اب غذہ گردی بھی شروع کر دی ہے تم نے؟ یار کسی دن بندہ کراؤں تمہیں۔"

"تم تھے کہاں.....؟" فریدی نے سخت لمحے میں پوچھا۔

"تب معاملہ گز برمیں جعلوم ہوتا ہے۔" حمید شجیدی سے بڑا بڑا اور فریدی کی طرف دیکھ کر مخصوصیت سے بولا۔ "ہائی سرکل نائنٹ کلب میں۔"

"کل سے چھانک نہیں کھلے گا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ بات تو سمجھتے نہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آج کل آپ نکل ٹکل کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ لہذا قبل اس کے کہ میری موت آئے میں اگلے چھٹے سارے گناہ معاف کر لیتا چاہتا ہوں۔"

"بکومت.....!"

"اچھائیں بکوں گا۔ میں سمجھا تھا شاید آپ میری بکواس سننا چاہتے ہیں۔"

"میرے خیال سے شاید اب وہ کار اس جگہ نہ دکھائی دے۔" فریدی نے انور سے پوچھا۔

"میں خود بھی سچی سوچ رہا ہوں۔" انور بولا۔

"تم بھیش غلط سوچتے ہوئے" حمید نے کہا۔

"پھر بولے تم.....!" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"لیکن غلط نہیں بولا۔"

"شٹ اپ.....!"

گلدان میں ہاتھی

"مشائی گلدان" حمید نے مینٹل پیس سے ایک چینی کا گلدان اٹھا کر جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"اگر میں چاہوں تو اس گلدان سے ہاتھی نکال سکتا ہوں۔"

"کیا سمجھتے ہو؟" فریدی اسے گھور کر بڑا بڑا۔

"خدا کی قسم ہاتھی نکالوں گا۔"

انور بیزاری سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا اور رشیدہ نہیں رہی تھی۔ وہ اس وقت ڈائینگ روم میں صبح کا ناشتر کر رہے تھے۔ انور رات بھر گھر سے غائب رہا تھا۔ اس نے رشیدہ نے صبح ہی صبح فریدی کو فون کیا تھا۔ ایسے موقع پر وہ ہمیشہ بھی کرتی تھی۔ بہر حال فریدی سے انور کے متعلق معلوم ہونے پر وہ سیدھی بیہمیں چلی آئی تھی۔

حمید پر اب تک پٹانا ڈزم (عمل توبیم) کی مشقوں کا بھوت سوار تھا۔ اس نے وہ عموماً بہت ہی ہلکے قسم کا ناشتر کرنا تھا۔ اس وقت بھی وہ تجوڑا اس اپورج کھا کر اور ایک گلاں گرم دودھ پینے کے بعد اٹھ گیا تھا اور اب ٹہل ٹہل کر کافی پی رہا تھا۔

"ہاں تو اس میں سے ہاتھی ضرور نکلے گا۔" اس نے گلدان کو میز پر رکھ کر اسے رومال سے ڈھک دیا۔

"چین سے بیٹھو ورنہ چانٹا مار دوں گا۔" فریدی بولا۔

"پٹانا ڈزم میں وہ قوت ہے کہ وہ ہمیں چانٹا انور کے منہ پر بھی پڑ سکتا ہے۔" حمید نے ہامک لکھا۔ "لیکن ہاتھ پر رشیدہ کا ہو گا۔"

"رشیدہ کا سینڈل اور تمہارا سر بھی ہو سکتا ہے۔" انور نے کہا۔

"اغلا تھا اسے بھی برداشت کرلوں گا۔ کیونکہ فی الحال تمہارا سر اس قابل نہیں ہے اور رشیدہ صاحبہ اپنے معمولات میں فرق بھی نہ ڈال سکیں گی کیونکہ رشیدہ صاحبہ یہ غذا آپ کے ناشتر ہی کے ساتھ مہیا کرنے کی عادی ہیں۔"

”ذریا سے اٹھانا تو.....!“ اس نے رشیدہ سے کہا۔
رشیدہ نے وہ گھلوٹا فریدی کی طرف کھکھایا۔
فریدی اسے ہاتھ میں لے کر بخورد یکھارا۔ پھر اسے میز پر رکھ کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔
دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنے حافظے پر زور دے رہا ہو۔

”حید.....!“ اس نے آواز دی جو رابر والے کمرے میں کھڑا ہلکے سروں میں سیئی بجارتا تھا۔
”فرمائے۔“ اس نے وہیں سے کھکھتائی، ہوئی آواز میں ہاک کیا۔

”یہاں آؤ۔“

”دوسرے کان میں اپنے لئے رکھنا چاہتا ہوں۔“

”چلو.....!“ فریدی کے لجھ میں جلا ہٹ تھی۔

”غلام حاضر ہے۔ زیادہ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔“ حید نے ڈرانگ رومن میں آ کر کہا۔
”یہاں تھا.....؟“

”میں کیا بتا سکتا ہوں.....!“ حید لاپرواں سے بولا۔

”بیکار باتیں مت کرو۔“ فریدی نے زیچ ہو کر کہا۔ ”مقام کے دوسرا موقع بھی ہو سکتے ہیں۔“

”یہ یہاں کیسے آیا.....؟“ حید نے رشیدہ نے پوچھا۔

”گلدن میں تھا۔“

حید نے قہقہہ لگایا اور پھر ضرورت سے زیادہ تجھیدہ ہو گیا۔

”انور..... یہ سب تمہاری بدولت ہوا۔“ اس نے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ انور بھتنا کر پلنا۔

”میں تم سے کہہ رہا تھا کہ انگلوں میں انگلیاں پھنسا کر مت بیٹھو۔“

”پھر وہی بکواس۔“ فریدی بولا۔

”اگر یہ ایسا نہ کرتا تو ہاتھی زندہ اور گوشت پوست میں ہوتا۔“

”اچھا بینے ذرا قریب آؤ۔“ فریدی نے پیش کے ہاتھی کی دم پکڑ کر اسے گھماتے ہوئے کہا۔
اس کی دم اس طرح گھوم رہی تھی۔ جس..... میں پس سیئی گلی ہو۔ دیکھتے ہیں، کیتھے ہیں۔

”مجھے مت گھینٹے۔“ رشیدہ نے مسکرا کر کہا اور کافی کا گھنٹہ لے کر گلدن کی طرف دیکھنے لگی۔
”آپ خود ہی اسکے ساتھ گھنٹتی پھرتی ہیں۔“ حید من سکوڑ کر بولا۔ ”ورنہ یہ اس قابل ہے۔“
”حید تمہاری زبان بند ہو گی یادوں راست اختیار کیا جائے۔“ فریدی اسے گھومنے لگا۔
”ہاں تو جتاب..... اس گلدن سے ہاتھی برآمد ہو گا۔“ حید نے اس کی بات اڑا کر کہ
”ارے انور..... اپنے دونوں ہاتھی الگ رکھو..... اگر انگلیاں پھنسائے رہے تو..... ہاتھی۔“
”اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کا کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔
حید نے یہ سارا کھڑاگ اسی لئے پھیلایا تھا کہ اسے فریدی اور انور کی اس گفتگو سے نجات
مل جائے جو چھڑنے ہی والی تھی۔ آج کل وہ سر کھپانے کے موڑ میں نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جائز
تھا کہ ٹانسیمیر پر سائی دینے والی آوازیں عنقریب ہی و بال جان بننے والی ہیں۔ انور کو پیش آئے
والے حادثے نے تو رعنی کی سر بھی پوری کردی تھی۔ بہر حال وہ دل ہی دل میں تجھنے لگاتا ہے
کمرے سے نکل گیا۔

اسکے جانے کے بعد رشیدہ نے اٹھ کر گلدن پر سے رومال ہٹایا اور پھر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

”کیا ہے.....؟“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

رشیدہ نے گلدن میز پر الٹ دیا۔

انور بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

پیش کا ایک چھوٹا سا ہاتھی گلدن سے نکل پڑا تھا۔

”یار بڑا انور ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔ بظاہر یہ قطعی

بچوں کی حرکت ہے لیکن اس کا مقصد میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔“

”کیا.....؟“ انور نے پوچھا۔

”بس ڈون ج دے کر نکل گیا۔“

”لیعنی.....؟“

”ہماری گفتگو میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا۔“ فریدی پیش کے ہاتھی پر نظریں جائے ہوئے
بولا۔ وہ تھوڑی در اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دفعتاً چوک پڑا۔

”امال یہ کیا ہوا.....؟“ انور گھبراے ہوئے لجھے میں بولا۔
حید نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کی آنکھوں سے بے بُی جھانکنے لگی تھی اور چینکیں
ابھی تک جاری تھیں۔

پیش کا ہاتھی نیز پر پڑا تھا اور رشیدہ جھکی ہوئی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ دفعتا وہ کچھ اور جھکی
اور ہاتھی سے اپنا کان لگادیا۔

”ارے.....!“ وہ اچھل کر میز سے الگ ہٹ گئی۔

”کیا ہوا.....؟“ انور چمک کر مردی۔

”آواز.....اس میں سے آ رہی ہے۔“

انور تیزی سے میز کی طرف چھپتا۔ اس نے جھک کر سنا اور احمدقوں کی طرح منہ چاڑ کر حید
کی طرف دیکھنے لگا۔

”آواز.....!“ حید اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ”آو.....اچھیں.....چھیں۔“

اس نے پھر اپنا سر پینا شروع کر دیا۔

فریدی ایک ہاتھ میں سرخ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”اس میں سے آواز آ رہی ہے۔“ انور نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

”حید کا پہناؤں بول رہا ہوگا۔“ فریدی نے کہا۔

”پہناؤں کی.....چھیں.....“ حید نے پھر اپنے منہ پر ٹھپٹھپا رہا۔

فریدی نے اس کے بازو میں انگشن دیے دیا۔ حید کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ لیکن فریدی
کے چہرے سے بے اطمینانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ انور نے فریدی کو اس پیش کے ہاتھی کی
طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ فریدی حید کو چھیڑنے میں مصروف تھا۔
”میں منع کرتا تھا کہ پہناؤں کے چکر میں نہ پڑو۔“

حید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی چھیکیں اب کچھ کم ہو چلی تھیں۔ اس میں اتنی قوت بھی
نہ رہ گئی تھی کہ وہ اس ہاتھی سے نکلنے والی آواز پر اپنے چہرے کو متوجہ نہ سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر
فریدی نے انور کی بات نہیں کر کیوں نہیں دی تھی۔ وہ خود اس ہاتھی کو ایک معمولی سا کھلوانا سمجھا

الگ ہو گئی اور اس کی جگہ ایک سوراخ دکھائی دینے لگا۔ فریدی اپنا ہاتھ پھیلا کر اسے اپنی آنکھ
کی سطح تک لا لیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کھو کھلے ہاتھی کے اندر کچھ دیکھ رہا ہو۔ لیکن
ہاتھی والا ہاتھ اپنے چہرے کے قریب نہیں لے گیا۔

”وزار دیکھو تو اس میں کیا ہے؟“ فریدی نے ہاتھی حید کے چہرے کے قریب لے جائے
ہوئے کہا۔

حید دیکھنے کے لئے جھکا لیکن سوراخ آنکھ کے بجائے ناک سے جا لگا اور حید تملکا کر پڑے
ہٹ گیا۔

وہ اس طرح منہ بیمار رہا تھا جیسے چھینک روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر دفعتا اس پر چھینکوں
دورہ پڑا۔

فریدی بے تباہ شہنس رہا تھا۔

”ارے..... ارے..... آق چھیں.....!“ حید کمرے میں ناج رہا تھا۔ ”
صعیبت..... آق چھیں۔“

انور اور رشیدہ متوجہ تھے۔ وہ نہ تو رہے تھے مگر احمدقوں کی طرح۔ حید برابر چھینکے جا رہا تو
”یہ کیا..... آق چھ..... چھیں چھیں..... ارے۔“ وہ جھلاہٹ میں پیر پتختے لگا۔

”میں تمہاری ناک سے دوسرا ہاتھ برامد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ فریدی نہ
کریوالا۔

”میں..... ہر..... آق چھیں..... جاؤں چھیں.....!“ حید جھلا کر اپنے منہ پر ٹھپٹھپا رہنے لگا
انور اور رشیدہ بھی اس کی طرف دیکھتے تھے اور بھی پیش کے اس ہاتھی کی طرف۔

”ارے چھیں..... چھیں..... پھاؤ..... چھیں.....!“ وہ ہرام سے ناشتے کی میز پر آ رہا۔
”اے پکڑو۔“ فریدی نے انور سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور نے حید کو اٹھا کر ایک آرام کری پڑا۔ اسے اب بھی چھینکیں آ رہی تھیں۔ لیکن
ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پر میں سکت نہ رہ گئی ہو۔ سرخ سرخ آنکھیں اپنے حلتوں
سے الی پڑ رہی تھیں اور آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

فریدی تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔
 ”تم نے اس میں جو آوازیں سن تھیں اس پر مجھے قطبی حریت نہیں کیونکہ میں اس کے متعلق پہلے ہی سے تھوڑا بہت جانتا تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ حمید کو اس کی شرارت کا مزہ بھی اسی کے ذریعے پچھایا جاسکتا ہے۔“
 ”تو کیا حمید اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ انور نے کہا۔
 ”اگر جانتا ہوتا تو اپنا چہرہ اس کے قریب کھینچ لاتا۔“ فریدی بولا۔
 ”بہر حال اس کے تین مصروف ہیں۔ یہ کسی چھڑی کا دستہ بھی ہے۔ اسے نسوار دان بھی سمجھا جاسکتا ہے لیکن حققتاً یہ ایک نخاں اسٹمپر ہے۔“
 ”ٹرانسٹمپر.....!“ انور بے ساختہ اچھل پڑا۔
 ”ہاں..... ٹرانسٹمپ..... پچھلی جنگ میں جاپانی جاسوسوں نے اسے چین ملایا اور انہیں میں استعمال کیا تھا۔“
 ”لیکن آپ نے اسے ٹرانسٹمپ ہی کیسے سمجھ لیا تھا.....؟“ رشیدہ حرمت سے آنکھیں بچاؤ کر بولی۔ ”اسے بچوں کا کھلونا بھی سمجھا جاسکتا ہے۔“
 ”کئی وجوہات کی بناء پر“ فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔ ”ایک تو یکڑی کا گلڈا..... دوسرا سونڈ پر یہ امہرا ہوا تو کیلا نشان اس کی چپک دیکھ رہی ہو۔ پر کرشل ہے۔ آواز کی لمبائی کا انجداب اسی کرشل کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ تو اندر کی مشین بھی دکھاتا۔ ممکن ہے کھولنے پر یہ کام کا نہ رہ جائے۔“
 انور اور رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔
 ”یہاں پر اس کی موجودگی کوئی خاص معنی رکھتی ہے۔“ فریدی تھوڑی تھوڑی بڑی بڑی بڑی بڑی۔
 ”کہیں اس کا تعلق انہیں لوں سے نہ ہو۔“ انور بولا۔
 ”نہیں..... وہ تو نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
 ”کیوں.....؟“

تھا۔ لیکن اس کے اندر سے نکلنے والی وہ تیز قسم کی بوکیسی تھی جس سے اس پر چھینکوں کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اس ہاتھی کے سلسلے میں اسے پچھلی رات یاد آگئی۔
 فریدی اٹھ کر انور اور رشیدہ کے پاس جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد حمید کو چھینکوں سے نجات ملی اور اس پر غنوڈگی طاری ہو گئی۔ فریدی نے انور اور رشیدہ کو دوسرا سرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اٹھا۔ پیش کا ہاتھی اس کے ہاتھ میں تھا۔
 ”آخر یہ ہے کیا بلا.....؟“ انور نے دوسرا سرے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔
 ”ایک دلچسپ چیز.....!“ فریدی نے کہا۔ ”مگر یہ حمید کو کہاں ملا۔“
 فریدی اسے پھر اتنے پلٹنے کا اس کے پیٹ میں ایک دوسرا سوراخ تھا۔ جس کا قطر پون انچ ضرور رہا ہو گا اور اس میں لکڑی کا ایک ٹکڑا پھنسا ہوا تھا۔ یہ ٹکڑا بھی گول ہی تھا لیکن اس کی سطح پر کئی ابھرے ہوئے نکلیے خٹاٹات تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی بڑا ٹکڑا رہا ہو اور سوراخ کے پاس سے ٹوٹ گیا ہو۔
 فریدی حسب عادت خاموش ہو گیا تھا انور اور رشیدہ کو لمحہ ہونے لگی۔
 انور تو اس کی عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھا لیکن رشیدہ کو حقیقتاً اس کی خاموشی کھل رہی تھی۔
 ”آپ نے نہیں بتایا کہ ہے کیا.....؟“ وہ بے صبری سے بولی۔
 ”کسی چھڑی کا دستہ۔“ فریدی نے کہا اور ہاتھی کو میز پر رکھ کر سکار سکانے لگا۔
 ”لیکن حمید صاحب کو یہکچھ لکھن کیوں آنے لگی تھی؟“
 فریدی نے پھر ہاتھی کی دم علیحدہ کر کے اس کے نیچے سے نمودار ہونے والے سوراخ کو رشیدہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ”اس کی ناک اس سوراخ سے جاگی تھی۔“
 ”شاید آپ زیادہ نہیں بتانا چاہتے۔“ رشیدہ شوخفی سے بولی اور انور اسے گھورنے لگا۔
 فریدی نے قیچہ لگایا۔ ”تم نے کیسے سمجھ لیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو میں اس کا تذکرہ ہی نہ چھیڑتا۔“
 ”رشیدہ خاموش ہو گئی۔“

”وہ آوازیں جو میں نے آفس کے ٹرائیکس پر سن تھیں وہ اس کے لئے قطبی بیکار ہیں۔“
صرف اسی ٹرائیکس کی نظر کی ہوئی آوازیں قبول کر سکتا ہے، جو اسی کی ساخت سے منابع رکھتے
ہو اور ہمارے ٹرائیکس کے لئے تو یہ بالکل ہی لागتی ہے۔“

انور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ خود بھی کافی ذہین، تیز اور طرار تھا لیکن فریدی کا سامنا
ہوتے ہی کچھ اس طرح احساس مکتری کا شکار ہوتا کہ بعض اوقات تو خود کو بالکل ہی احتمال تصور
کرنے لگتا تھا۔

”مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے۔“ فریدی پھر بولا۔ ”جیسے ملک میں بیردی جاسوسوں کی
خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔“

”وہ تو ہمیشہ ہی رہتی ہے۔“ انور نے کہا۔

”لیکن فی الحال وہ کسی خاص چکر میں معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ٹرائیکس پر انہیں خاص قسم
کے اشارے نظر کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔ خیر چھوڑ دھاؤ۔۔۔۔۔ ہاں تو اس ہاتھی نما ٹرائیکس
کی بات ہو رہی تھی۔ اس کے استعمال کا ڈھنگ بڑا ڈچپ تھا۔ جاپانی جاسوس عموماً نہیں
پیشواؤں کے ہیس میں رہا کرتے تھے اور اس قسم کے ٹرائیکس علاوی طور پر لئے پھرتے تھے۔ یہ
ان لے عصا کے سر پر نصب ہوتے تھے۔ ان میں وہ اپنی نسوار بھی رکھا کرتے تھے اور نسوار سونگھنے
کے ساتھ مجمع عام میں بھی ان کے ذریعہ با آسانی پیغام بازی کر سکتے تھے۔“

”وہی ہے کہ میں اسی سے پہلے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔“ انور بڑا بڑا۔ ”تو
مارہی تھی جس نے میں مید کو چھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔“

”کہی تھی کی بات نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر اس کے متعلق زیادہ لوگ جانتے
تمال نہ کیا جاتا۔“

”اوہ مطلب.....!“

”مطلب بالکل صاف ہے۔“ فریدی نے پیتل کا ہاتھی اٹھا کر کہا۔ ”اس لکڑی کے ٹکڑے کو
دیکھ رہے ہو۔ یہ کتنا صاف خلاف ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے چھڑی سے عیuded ہوئے زیادہ
عرضہ نہیں ہوا۔ ورنہ اس لکڑی کے ٹکڑے پر خاصی میل جمع ہوتی۔“

انور نے سر ہلا کیا۔
”یعنی کوئی حال ہی میں ابے چھڑی کے دستے کے طور پر استعمال کرتا رہا ہے۔“ فریدی
نے سگار سلاکتے ہوئے کہا۔ ”اور پھر یہ کسی طرح چھڑی سے الگ ہو گیا۔ بہر حال اسے کوئی
یہاں بھی آزاداں طور پر ہی استعمال کرتا رہا ہے۔ ورنہ اسے چھڑی کے سرے پر لگانے کی کیا
ضرورت تھی۔“

انور نے پھر سر ہلا کیا۔

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”لہذا تمہیں اس بات پر افسوس نہ کرنا چاہئے کہ
تم اس قسم کے ٹرائیکس سے پہلے واقف نہیں تھے۔ اس ٹرائیکس کا راز عام نہیں ہے۔ مجھے اس
کے متعلق ایک جاپانی جاسوس ہی سے معلوم ہوا تھا، جو اتفاقاً تھیں۔“

”تب پھر مجھے واقعی افسوس نہ ہونا چاہئے۔“ اور مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ اور کہنے جانا تھا کہ ایک نوکر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹاشٹری تھی جس
میں ایک ملاقلاتی کارڈ رکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کارڈ اٹھا کر پڑھا پھر اٹھا ہوا بولा۔
”تمہیں تھوڑی دیر پیٹھنا پڑے گا۔“

”نہیں اب ہم بھی چلیں گے۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”مہید صاحب کو ہوش آنے پر فون
کر دیجئے گا۔ میرے خیال سے کوئی تشویش ناک بات نہیں۔“

”قطبی نہیں۔“ فریدی بولا۔

انور اور رشیدہ چلے گئے۔

شوہر کا بھوت

ڈرائیکٹ روم میں ایک نوجوان عورت فریدی کا انتظار کر رہی تھی۔ ملاقلاتی کارڈ دیکھ کر ہی
فریدی نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس کے شناساؤں میں سے نہیں ہے۔ اس نے لیڈی ہمپٹن کی

بُلکی زرد ساری پر سکور دار کالا کالم بائوٹ پہن رکھا تھا۔

ساری کا آپنے سر پر تھا۔ لمبی اور گھنیری پلکیں جبکی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ

زیادہ تندریں پنجی ہی رکھنے کی عادی ہو۔ سمجھیں ایکی نظریں دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

فریدی کوڈ رائٹر روم میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

”تشریف رکھئے؟“ فریدی قدرے جھک کر بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑی رعنی پھر فریدی کو مخاطب کر کے کپکپائی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیا فریدی صاحب بہت زیادہ مصروف ہیں۔“

فریدی کے ہونتوں پر مکراہٹ پھیل گئی۔

”ایسا تو نہیں۔“

”کیا وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی گے؟“

”کیوں نہیں.....!“

”تو پھر..... انہیں اطلاع دے دیجئے۔“

”فرمائیے..... میں ہی فریدی ہوں۔“

”اوہ آپ.....!“ عورت کے انداز میں استجواب تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ جو فریدی سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھے اسے یوزھانی سمجھتے تھے۔ یہ عورت بھی شاید اسی خیال میں تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو اس طرح دیکھتی رہی جیسے اس کے بیان پر شبہ ہو۔

”میں نے سنائے کہ آپ.....؟“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”فرمائیے.....!“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ”اس کمرے کی کوئی بات اس کی دیواروں سے آگئے نہیں بڑھ سکتی۔“

”میں نے سنائے کہ آپ پرائیویٹ طور پر بھی ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔“

”جی ہاں اکثر ایسے اتفاقات بھی ہوئے ہیں۔“

عورت چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بات شروع

کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی ہو۔

فریدی استفہا یہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر ۲۵ اور ۲۸ کے درمیان میں رہی ہو گی۔ چہرہ حد درجہ پر کشش اور متین تھا۔ پیشانی کی بُلکی بُلکی سلوشیں تمکنت ظاہر کر رہی تھیں۔ رُنگ چمچی تھا۔ بڑی بڑی نشانیں اور بوجھل پلکیں عجیب سی کیفیات کی حامل تھیں۔

”آپ نے پروفیسر چودھری کا نام تو سنائی ہو گا۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”پروفیسر چودھری۔“ فریدی اپنے ذہن پر زور دینے لگا۔

”ایشیا نک سائنس کا گنگریں کے صدر.....!“ عورت نے کہا۔

”اوہ جی بابا۔“ فریدی سوالی نظریوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”وہ میرے شوہر ہیں۔“

”اوہ مسز چودھری۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں ذاتی طور پر ان سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوں۔ شاید ایک بار وہ اچانک کہیں غائب ہو گئے تھے۔“

”تب سے اب تک لاپتہ ہیں۔“ مسز چودھری نے کہا۔

”اوہ.....!“

”تقریباً چھ ماہ ہونے کو آئے..... لیکن.....!“

”لیکن کیا.....!“ فریدی چوک کر بولا۔

”میں وہی کہنا چاہتی ہوں جس کے لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔“

فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔

”وہ چھ ماہ قبل اچانک غائب ہو گئے تھے۔“ مسز چودھری مضمحل آواز میں بولی۔ ”میں نے پولیس میں بھی روپرست درج کرائی تھی۔ چھ ماہ تک ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا لیکن اہر کئی دونوں سے.....!“

وہ پھر چپ ہو گئی۔

”کہئے..... کہئے!“

”اہر کئی دونوں سے وہ کوئی میں دکھائی دیتے ہیں۔“

کرے میں نہیں پائے گئے۔“

”ان کا کچھ سامان بھی غائب تھا۔“

”نہیں..... میرے علم میں تو کوئی ایسی چیز نہیں جو غائب ہوئی ہو۔“

”کپڑے تو پہنے ہی ہوں گے۔“

”نہیں! ان کے جسم پر وہی سلپینگ سوت تھا جو وہ پہن کر سئے تھے۔“

”اور سلپینگ گاؤں.....!“

”وہ کرے ہی میں موجود تھا۔“

”اور آپ نے ان کے غائب ہونے کی یونہی سرسری رپورٹ کر دی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اس کے علاوہ اور میں کر بھی کیا سکتی تھی۔ میں نے رپورٹ درج کر دی اور برابر اعلیٰ

کام سے بات بھی کرتی رہی لیکن ہمیشہ یہی جواب مل کر تلاش جاری ہے۔“

”ہوں.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ آپ نے انکے دستوں سے بھی پوچھ گچھ کی ہوگی۔“

”جی ہاں! جتنے میرے علم میں تھے۔“

”اچھا آج کل پیش آنے والے واقعات کی رپورٹ بھی کی آپ نے؟“

”کس طرح کرتی۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آئے۔ ویسے میں خود بہوت پریت قسم کے وابہوں کی قائل نہیں۔ میں نے نوکروں کو بھی منع کر دیا ہے کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔“

”تو پھر آپ یہاں کیسے آئیں؟“

”بچھلی رات حالات نے دوسری شکل اختیار کر لی اور جب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو

آپ کے پاس چل آئی۔“

فریدی اسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”حالات کی دوسری شکل سے آپ کی کیا مراد ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”بچھلی رات وہ اوپری منزل میں چل رہے تھے۔ میں نیچے تھی۔ تھوڑی دیر بعد نیچے ہال میں اتر آئے اور ہمیں بھاگ کر ایک کرے میں بناہ لئی پڑی۔ میرے ساتھ میرے تین ملازم

”کیا مطلب.....؟“ فریدی چونکہ کر بولا۔

”کافی رات گئے وہ کوشی میں ٹھیٹے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کسی کی بہت نہیں کہ ان کا سامنا بھی کر سکے۔“

”صاف صاف کہئے۔“ فریدی بے چینی سے بولا۔

”ان کا چہرہ حد درج خوفناک ہوتا ہے۔ اندھیرے میں شعلے کی طرح دیکھتا ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی بے چینی سے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

”اکثر وہ میرے قریب سے بھی گزرے ہیں لیکن میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی آنکھیں گردش ہی نہیں کر سکتیں۔“

عورت پھر خاموش ہو گئی۔

فریدی کا اختیار بڑھتا جا رہا تھا۔

”سارے نوکر خوفزدہ ہو کر کروں میں جا چھتے ہیں اور اب تو میں بھی سیکھنے لگی ہوں۔“

”کہتے ہو سکتے ہیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میرے یہاں کتے نہیں ہیں۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ کیا کروں۔ نوکروں کا خیال ہے کہ چودھری کسی حادثے کا شکار ہو گئے اور یہ انہیں کا بھوت ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔ پہلی رات میں نے ان کے چہرے کی شعلتی کا خیال کئے بغیر انہیں آوازیں بھی دی تھیں۔ لیکن وہ چوٹکتے تک نہیں۔ نہ ان کی پلکیں جھیکیں اور نہ آنکھوں نے گروش کی۔ میں آپ سے کیا بتاؤں کر وہ کتنے خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پیروں کے علاوہ ان کا بقیہ جنم پھر کا ہو۔ چلتے وقت ہاتھ بھی نہیں ہلتے۔ میرے خدا۔“

اس نے جھک کر اپنا چہرہ دنوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ فریدی کے ماتھے پر سوچ کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

”اچھا وہ غائب کن حالات میں ہوئے تھے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”اپاک.....!“ وہ سر اٹھا کر بولی۔ ”ایک رات وہ اپنے کرے میں سوئے اور دوسری صبح

بھی تھے۔ ہم نے کرہ بند کر لیا اور پھر محسوس کیا کہ ہال کی روشنی مل ہو گئی۔ دفتار بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے ہال میں بہت سے آدمی موجود ہوں۔ ایک آدھ چینیں بھی سنی گئیں۔ ہم میں سے کسی کے منہ۔ آواز نہ لٹکی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ سب بھاگتے ہوئے باہر چلے گئے ہوں۔ پھر دو آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں جو کسی عجیب، غریب زبان میں آفٹکو کر رہے تھے اور دونوں کے جہنوں میں کتوں کی سی غراہت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کے سینوں میں منوں بلمغم اکٹھا ہو۔ وہ زبان نہ انگریزی تھی نہ جرمن، فرانسیسی بھی نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے بیان بولی جانے والی مختلف زبانوں میں سے بھی نہیں تھی۔ پھر کوئی ہال میں گرا۔ ایک چین سنائی دی پھر بھاری قدموں کی آوازیں۔ شاید وہ دونوں بھاگ رہے تھے۔ اس کے بعد بالکل سناتا چھا کیا۔ ہم تقریباً آدھ گھنٹے تک اسی کمرے میں رہے پھر باہر نکل آئے۔ ہال میں روشنی کی لیکن اس وقت ہماری حرارت کی انتہا رہی جب ہم نے یہ دیکھا کہ نہ تو کوئی کری اپنی جگہ سے بیٹھی اور نہ کوئی چیز اٹھی تھی۔ شیشے اور چینی کے بڑے بڑے گلدان اپنی جگہوں پر بدستور رکھے تھے۔ ہنگامہ اتنا شدید ہوا تھا کہ پورے ہال میں اتری ہونی چاہیے تھی۔ ہم لوگ جی کڑا کر کے باہر نکلے۔ باہر بھی سناتا تھا۔ البتہ پائیں باغ کا چھانک کھلا ہوا دکھائی دیا۔ فوکر آگے بڑھتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھی۔ پھر ہم چاروں نے مل کر پائیں باغ کا چھانک بند کیا۔ واپسی میں پھر ہمارے دانت خوف سے بچنے لگے۔ پودھری صاحب اوپری منزل کی ایک کھڑکی میں دکھائی دیے۔ ان کا پچھہ اندر سے میں دہکتا ہوا دکھائی دیا اور ان کی آنکھیں ہمیں دیکھنے کے بجائے نہیک اپنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ ہم پھر بھاگ کر اندر آگئے اور ہم چاروں نے ساری رات جاگ کر گزاری۔

”بڑی بحیر بات ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا۔

عورت تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولی۔

”اب بتائیے! میں کیا کروں؟“

”میں خود بھی سچی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کیا مشورہ دوں۔“

”کیا میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں۔“

”ہوتا تو سیکھ چاہئے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ان کے غائب ہونے سے پہلے ان کا کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا تھا۔“

”میرے خیال سے تو نہیں۔ وہ بہت زیادہ تہائی پسند تھے۔ ان کے کسی سے ایسے تعلقات نہیں تھے کہ جھگڑے تک نوبت پہنچتی۔“

”لیکن کوئی تو ایسا ضرور ہی رہا ہوگا جس سے ان کے زیادہ تعلقات رہے ہوں۔“

”یہ بتانا دشوار ہے۔“ ممزوج دھرمی سوچتی ہوئی بولی۔ ”لیکن ٹھہریے۔ یہاں صرف ایک ہی ایسا آدمی ہے جس سے ملنے کیلئے وہ اکثر جایا کرتے تھے اور وہ خود کبھی ہمارے گھر نہیں آیا۔“

”کون.....؟“

”علم الاجسام کا ماہر پروفیسر درانی۔“

”اوہ.....!“

”وہ اکثر اس کے یہاں جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ خود سے کبھی کسی اور سے ملنے نہیں گئے۔ زیادہ تر لوگ انہیں سے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔“

”کیا آپ ان غیر ملکیوں میں کسی کے متعلق کچھ بتائیں گی؟“

”شاید نہ بتاسکوں۔ کیونکہ مجھے ان کے اس قسم کے ملنے والوں یا ان کے مشاغل سے کوئی خاص لپیٹی نہیں تھی۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بول۔

”میرے خیال سے ابھی آپ پولیس کو باقاعدہ طور پر مطلع نہ کریں۔ میں آج کسی وقت آپ کے یہاں آؤں گا۔“

”میں زندگی بھرا آپ کی شکر گز اور ہوں گی۔“

اس عورت کی عجیب، غریب کہانی ختم ہوتے ہی فریدی پھر اس ہاتھی نماڑا نسیمیز کی گتھی میں الجھا گیا۔ نئی الحال وہ کوئی اور کیس لینا نہیں چاہتا تھا لیکن اس عورت نے ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ کر دیا تھا کہ وہ دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔ یہ پروفیسر درانی کی شخصیت تھی۔ تعلیم یافتہ طبقوں میں اس کا نام بہت عزت سے لیا جاتا تھا۔ لیکن دو ہی چار ایسے خوش قسمت رہے ہوں گے جنہوں

”آپ تو پتھر ہیں۔ اگر اسے والد صاحب قبلہ بھی دیکھتے تو زیخار کی طرح دوبارہ جوانی کی دعائیں لگتے۔“

فریدی اس کا گریبان پکڑ کر اسے اندر کھینچ لے گیا۔

”وہ ٹرانسمیٹر تمہیں کہاں سے ملا تھا۔“ اس نے پوچھا۔

”ٹرانسمیٹر.....!“ حمید پوکھلا کر بولا۔ ”کہیں آپ کی عقل اسی کے ساتھ ہی تو نہیں چل گئی۔“

”بکومت..... وہ کھلونا نہیں بلکہ ٹرانسمیٹر ہے۔“ فریدی نے اکتا کر کہا۔

”تو کیا وہ آواز.....؟“ حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

”تم نے سنی تھی.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں..... جب میں اس مصیبت میں بٹلا تھا تو انور اور رشیدہ نے کوئی آواز سنی تھی۔ میں اسے مذاق سمجھا تھا۔“

”تو کیا اس ٹرانسمیٹر پر چھینکیں براؤ کا سٹ کی جاتی ہیں۔“ حمید نہیں کر بولا۔

”نہیں وہ ایک تیز قسم کی نسوار تھی جس نے تمہیں چھینکنے پر مجبور کر دیا تھا۔“

پھر فریدی نے اسے سب کچھ بتادیا۔ حمید حیرت سے آنکھیں چھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”تو یہ بلاش خود ہی اپنے گلے باندھ لایا ہوں۔“

”تمہیں وہ ملا کہاں تھا.....؟“

”جگہ کا نام شاید نہ بتاسکوں لیکن جگہ دکھا سکتا ہوں۔“ پھر لی رات جب میں ناٹ کلب سے لوٹ رہا تھا تو میں نے اسے راستے میں پڑا پایا تھا۔۔۔ مگر یہ عورت کون تھی؟“

”پھر بتاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم ذرا جلدی سے کپڑے تبدیل کر دلو۔“

”آ..... اے پیاری شامت۔“ حمید چھپت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے تھوڑے سے محبت ہو گئی ہے کیونکہ تو کسی حال میں میرا چھانبیں چھوڑتی۔“

نے اسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اپنی کوچھی سے شاذ نادر ہی نکلتا تھا اور وہ بھی بند گاڑی میں۔ روز روشن میں تو وہ بند گاڑی بھی نظر نہیں آتی تھی اس سلسلے میں اس کے لئے کئی باتیں مشہور تھیں۔ کچھ کہتے تھے کہ وہ اتنا بصورت اور بے ہم ہے کہ پیلک کے سامنے آتے ہوئے شرماتا ہے۔ کچھ کا یہ خیال تھا کہ اسے دن میں کچھ بجھائی ہی نہیں دیتا۔ زیادہ ذہین لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایسا عجیب و غریب روایہ اختیار کر کے اپنی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔۔۔ بہر حال وہ ہر اس شخص کیلئے معمر تھا جو اسکے متعلق تھوڑا اہبہ بھی علم رکھتا تھا۔ ویسے سارے ملک میں اسکی نکر کا ایک بھی ماہر علم الاجسام نہیں تھا۔

فریدی نے اس کی لیبارٹری کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اس کے پاس قدیم اور جدید جیوانات کے بے شمار ڈھانچے تھے لیکن انہیں بھی شاید وہی چار آدمیوں نے دیکھا ہو۔ فریدی انہیں خاص طور سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کا کوئی مناسب حیلہ آج تک ہاتھ نہیں آیا تھا۔ مسز چودھری کو چھانک تک پہنچانے کے بعد فریدی مژا ہی تھا کہ اسے حمید دکھائی دیا۔ جو برآمدے میں لکھجہ تھا میں کھڑا تھا اور دو تین توکر دور کھڑے مسکارا ہے تھے۔ فریدی نے انہیں گھوڑ کر دیکھا اور وہ چپ چاپ کھنک گئے۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر پوچھا۔

حمدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اسی انداز میں کھڑا آنکھیں چھاڑے چھانک کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا بیہودگی ہے۔“ فریدی چھخلا کر بولا۔ ”تمہیں تو کروں کا بھی خیال نہیں ہوتا۔“

”نوكر میرے باپ تو نہیں۔“ حمید پلٹ پڑا۔ لیکن پھر مصلح ہو کر چھانک کی طرف دیکھنے لگا۔

”ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا۔“

حمدی نے پھر پلٹ کر فریدی کو دیکھا۔ لیکن اس بار اس کی آنکھوں سے غم چھانک رہا تھا۔

فریدی کو اس کی ایکنٹگ پر بے سانتہ بُنی آگئی۔

حمدی ایک چندی سانس بھر کر بولا۔ ”اے برا در یہ کس گھنٹن کی کلی تھی۔ کس بھنپیدا کنار کا ذرخوش آب تھی۔ یہ کون تھی، جو میرے دل کے سمندر کے جوار کو چھانٹا کھلا کر چل گئی۔“

”آگئے اوقات پر.....!“ فریدی منہ بنا کر بولا۔

نیا انکشاف

تحوزی دیر بعد فریدی کی کینڈیاں پھانک کے باہر لگی۔ حمید فریدی کے برادر بیٹھا میرزا رز سے منہ بنا رہا تھا۔

”جان لکھی شروع ہوگئی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”بیکارتا و نہ دلائیے مجھے۔“ حمید نے کہا۔ ”آپ بھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرتے۔“

”لیتی.....!“

”اس ڈرامسیٹر کا چکر چھوڑ کر آپ کو اس بیچاری کی عدالتی چاہئے۔“

”شاید تم اس کی پوری کہانی بھول گئے۔“ فریدی نہیں کر بولا۔

”میں اب بھوتوں سے نہیں ڈرتا۔ بشرطیکہ وہ کسی عورت کا بھوت نہ ہو۔“

فریدی نہیں کر چکر ہو گیا۔

”بام روڈ کی طرف چلے۔“ حمید تحوزی دیر بعد بولا۔ ”وہ اب تک میرے ذہن پر چھائی ہوئی ہے۔“

”تمہارا ذہن تو اچھا خاصا کا خی ہاؤز ہے۔“

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ایک ہزار سال قبل اسے یونان میں دیکھا ہو۔“

”بہت اچھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا ابھی حال ہی میں رائینڈر ہیگرڈ کا کوئی ناول پڑھا ہے؟“

”نہیں میں حق کہ رہا ہوں۔ وہ یونان کے کسی قدیم سگ تراش کا شاہکار معلوم ہوتی ہے۔“

”یار حمید! میرا بیجا مت چاٹ۔“

”قلہ محترم میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہو..... ہاں واہنی طرف موڑ لیجئے۔“

”فرمائیے۔“ فریدی نے اسٹرینگ گھماتے ہوئے کہا۔

”آپ عورتوں سے خوفزدہ ہونا چھوڑ دیجئے۔ ورنہ آئندہ آپ کے دہن آپ پر گولی

ٹلانے کی بجائے عورت پھینکا کریں گے۔“
فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

”فرض کیجئے۔“ حمید پھر بولا۔ ”آپ کہیں سے گزر رہے ہیں اور ایک مجرم آپ کی تاک میں ہے۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر ایک خوبصورت سی عورت سنجال رکھی ہے جیسے ہی آپ زد پر آئے اس نے عورت پھینک ماری اور آپ جیچ مار کر بیہوش ہو گئے۔ پھر اس نے طمیان سے آپ کی گردان ریتی اور چلتا بنا۔“

”یار کوئی کام کی بات کر۔“ فریدی اکتا کر بولا۔

”یہ کسی کام چور سے کہنے گا۔“ حمید نے کہا۔ ”اوہ ٹھیک یاد آیا۔ کیا آپ کسی اپیے مصنفوں کو جو انگریزی کے ناولوں کے پلاٹ چاکر اردو میں ناول لکھتا ہو۔“
بھی کام چور کہیں گے جو انگریزی کے ناولوں کے پلاٹ چاکر اردو میں ناول لکھتا ہو۔“

”کیوں اسے کیوں کام چور کہیں گے۔“

”بھی مصنفوں کے کارناموں کو انگریزی میں درک کہتے ہیں جس کے معنی اردو میں ”کام“ ہوئے۔ لہذا میری دانست میں چور قسم کے مصنفوں کو اردو میں کام چور کہا جاتا ہے۔“

”لیکن تم مصنفوں پر کیوں آ کوئے۔“

”اس لئے کہ کہیں وہ کم بخت ڈرامسیٹر نہ کوڈ پڑے۔“ حمید نے اپنے پاس میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس قسم کی چیزیں میرے یا آپ ہی کے باطن کیوں لگا کر تی ہیں۔ کسی اور راگھیر نے اسے کیوں نہیں اٹھایا۔ یہ ٹھوکریں میرے ہی مقدار میں کیوں لکھی ہوئی تھیں۔ پچھلی رات والا حادثہ انور ہی کو کیوں پیش آیا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اسی درمیان میں وہ یہاں تارجمہ تک کی دوڑ لگایا کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بھی کسی تذکرہ نویس نے ان واقعات کو لکھتا تو لوگ سو فیصدی غب سمجھیں گے۔“

”بیٹھے حمید خاں! اسی قسم کے اتفاقات ہیں مجرموں تک پہنچاتے ہیں ورنہ ہم ساری زندگی تاک نوئے مارتے رہیں۔ سراغِ رسال غیب داں نہیں ہوتے۔“

”آخر اس قسم کے ان اتفاقات پیش ہی کیوں آئیں۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ پھر چوک

”ول چتے۔“

”کیوں؟ تم تو بھی اس سے ملنے کے لئے نبڑی طرح بے تاب تھے۔“
 ”لیکن اب ان حالات میں نہیں ملتا چاہتا۔“
 ”کن حالات میں؟“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔
 ”آپ اس کے گھر میں ہونے والے ہنگامے اور اس ہاتھی میں کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“
 ”تو کیا میں غلطی کر رہا ہوں۔“
 ”نبیں..... غلطی تو مجھ سے ہوئی کہ اس وباں جان کوٹھوک سے ادھر ادھر کر دینے کی بجائے اپنے ساتھ لیتا گیا۔“
 ”کیا بکتے ہو۔ آؤ اندر چلیں۔“ فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کیڈی کی طرف لے آیا۔
 انہیں دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وزینگ کارڈ ملے ہی مز چودھری خود ہی باہر نکل آئیں۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہریں تھیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے ان کی غیر متوقع آمد پر تحریر بھی ہے اور خوشی بھی۔
 ”آئیے..... آئیے..... بہت بہت شکریہ۔“
 وہ انہیں ایک دستی ہال میں لے آئی۔ فریدی کی نظریں زینے کی طرف الحکمیں جو اوپری منزل کی طرف گیلری سے ملختے تھے۔
 ”میں کچھی تھی شاید آپ نے مجھے ٹال دیا۔“ مز چودھری بولی۔
 ”آپ غلط کچھی تھیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”کیا آپ پچھلی رات کو اسی کمرے میں تھیں؟“
 ”جی ہاں.....!“ مز چودھری تحریر ہو کر بولی۔ ”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ یہاں کئی کمرے میں۔ آپ نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا؟“
 ”کوئی خاص بات نہیں..... یہ میرا قیاس تھا۔“
 ”قیاس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔“
 ”بس یونہی۔“ فریدی نے کہا اور پورے ہال کو مجس نظر وہ سے دیکھنے لگا۔
 ”آپ کی تعریف.....؟“ مز چودھری نے حمید کی طرف اشارہ کیا جو دیا سلاسلی کا تکا چبا

کیڈی لاک ایک جھکٹے کے ساتھ رک گئی۔ حمید اتر پڑا۔
 ”غائب بھی جگہ تھی۔“ وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔
 ”رات اندر ہری تھی حمید صاحب۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”ٹھیک ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میرے پاس تاریخ تھی ورنہ اس کم جنت پر کیسے نظر پڑتی۔“
 ”پھر بھی۔“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”وہ کوئی ایسی عجیب و غریب چیز نہیں تھی کہ گرد و پیش بھی تاریخ کی روشنی کی زحمت گوارا کرتے۔“
 ”یہ تو ٹھیک ہے۔“ حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ ”لیکن سامنے والی کوئی کے چالاک رکھے ہوئے پھر کے شیر اس وقت تاریخ کی روشنی کی زد میں تھے۔“
 ”تب ٹھیک ہو سکتا ہے کیونکہ اس سڑک پر ایسے شیر اور کہیں نہیں ہیں۔“ فریدی کوئی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر دفتار چوک پر اور حمید کا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ وہ بلبا اٹھا۔
 ”حمد کبھی فریدی کی غیر متحرک آنکھوں کی طرف دیکھتا اور کہی کوئی کوئی کی طرف۔“
 ”کیا یہ شیر پتھر کے نہیں ہیں؟“ حمید بوكلا کر بولا۔
 فریدی اپنی نظریں چالاک سے ہٹا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
 آنکھیں چکنے لگی تھیں۔
 ”حمدید! شاید اس بار بھی سہرا تمہارے ہی سر رہے گا۔“
 ”سہرا.....!“ حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ ”لاحوال ولاقوة..... تو بہ کیجئے! بھلا آپ کے سر رہ کر سہرے کی نوبت کہاں آئے گی۔“
 ”ہشت.....!“ فریدی نے دبے ہوئے جوش کے ساتھ کہا۔ ”چالاک پر گلی ہوئی نیم پی پی دیکھ رہے ہو۔“
 ”میری آنکھیں کمزور نہیں ہیں۔ میں پڑھ بھی رہا ہوں۔ پروفیسر بی۔سی چودھری حمید نے کہا اور پھر یہک یہک اچھل کر بولا۔ ”یہ اسی کی کوئی تو نہیں جواب بھی آپ سے ملنے لگی تھی۔“
 ”تم ٹھیک سمجھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
 ”تو گویا کرواقی شامت آگئی۔“

رہا تھا۔

”میرے ساتھی سرجنت جید۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”انہیں اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ یہ بھتوں کے اپیشنٹ ہیں۔“

”اوہ..... بڑی خوشی ہوئی۔“ مسز چودھری نے مصالغے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن جید کے انداز میں سردہری تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اس وقت جید سے کوئی بوکھلا ہٹ کیوں نہیں سرزد ہوئی۔

”تو آپ لوگ لج میرے ہی ساتھ کھائیں گے۔“ مسز چودھری نے کہا۔

”اُنکی ضرورت نہیں“ فریدی بولا۔ ”پھر کبھی! ہم لوگ فی الحال بہت زیادہ مصروف ہیں۔“

”میں نہیں مان سکتی۔“ مسز چودھری نے کہا۔

”آپ کی مرضی.....!“ حید جلدی سے بولا۔

”میں ابھی جا پڑ رہا تھا۔“ مسز چودھری نے کہا اور ہال سے چل گئی۔

”یہ کیا حرکت..... میں تو نال رہا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”میں بھتوں کا اپیشنٹ ہوں تا۔“ حید نے دیدے پھر اکر کہا۔ ”اور آپ اسی مقصد کے تحت مجھے ہیاں لائے ہیں لہذا میں نے جو کچھ مناسب سمجھا کیا۔“

”چند ہیں آپ اچھے خاصے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اگر آپ میرا چند پن بھی ملاحظہ فرماتے کے موڑ میں ہوں تو اب کی بحیثیت چند متعارف کر ادیجئے۔“

”بکومت.....!“

”نہیں بکوں گا..... لیکن یہ بتائیے کہ آپ نے خصوصیت پسے اسی کمرے کے متعلق کس بناء پر کہا تھا۔“

”تم واقعی چند ہو۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”انتہیں دیکھ سکتے کہ صرف اسی کمرے کے دروازے کی چیختی اس طرف ہے۔ دوسرے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں شاذ و نادر ہی کھو لا جاتا ہوگا۔ اس دروازے کا پردہ سر کا ہوا ہے جس کا مطلب

”ہے کہ دروازہ باقاعدہ استعمال ہوتا ہے۔“

”میں اتنی ذرا ذرا اسی باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔“ حید منہ بکھڑا کر بولا۔

”اسی لئے ہر موقع پر چند ہو جاتے ہو۔“

”چند کے ساتھ سلسلہ ضرور استعمال کیا کیجھ۔ ہاں الو کے لئے اس کی قید نہیں کیونکہ وہ عموماً کسی کا ماحت نہیں ہوا کرتا۔“

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مسز چودھری واپس آگئی۔

”چودھری صاحب کی لیبارٹری تو بڑی شاندار ہو گی۔“ فریدی دفتراً اسکی طریقہ بڑھ کر بولا۔

”جی ہاں..... کیا آپ دیکھیں گے؟“

”میں پوری کوشش دیکھنا چاہتا ہوں۔“

نچلے کروں کو دیکھتے ہوئے وہ بالائی منزل پر آئے۔ یمنی پروفیسر چودھری کی شاندار لیبارٹری بھی تھی جہاں چاروں طرف بڑی بڑی میزوں پر شیخے کے آلات رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک مختلف النوع مختین بھی نظر آئیں۔ ان میں چھ ہارس پاؤ رکا ایک انجن بھی تھا۔

”میرے خیال سے پروفیسر کے غائب ہونے کے بعد سے یہاں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔“

”نہیں! لیکن اکثر میں ان آلات کی صفائی اور دیکھ بھال کرنی رہتی ہوں۔“

”کچھلی بار آپ نے ان کی صفائی کب کی تھی؟“

”شاید ایک ہفتہ قبل.....!“

”اس کے بعد سے انہیں کسی نے نہیں چھوڑا۔“

”نہیں۔“

”یہ آپ کیسے بڑی نہیں بنتے؟ لوگوں میں سے کسی نے چھوڑا۔“

”مجھے اس کی تو قوت نہیں۔“ مسز چودھری بولی۔

فریدی جیب سے محبوب شیشہ کا کل کر آلات کا معائنہ کرنے لگا۔ دفتراً و تھوڑی دیر پندرہ۔

”قریب آئیے۔“ فریدی نے مسز چودھری سے کہا۔

پھر وہ اپنا ہاتھ میں لے کر محبوب شیشے کی بد سے اس کی انگلیاں دیکھئے۔

مسز چودھری کا ہاتھ کا نپ رہا تھا اور چھرہ ایسا ہو گیا تھا جیسے کسی نے سڑخ رنگ کی پچکاری مار دی ہو۔
حمدید اپنے ٹنک ہونتوں پر زبان پھیرنے لگا۔ البتہ فریدی کا چھرہ کسی پر سکون بھیل کی سطح کی
طرح پاٹ تھا۔

”ذر اپنے تینوں نوکروں کو بھی بالائیے۔“ فریدی نے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو
دیکھ لینے کی بعد کہا۔

مسز چودھری کھڑکیوں کی طرف بڑھی۔

”مدد ہے۔“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”بچھلی رات آپ نے مسز چودھری کو
کھڑکی میں دیکھا تھا.....؟“

مسز چودھری نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اس کی چوکھت کو غور سے دیکھ رہا تھا اور مسز چودھری اسے گھوڑہ تھی۔
”نوکروں کو بلا لججے۔“ اس نے سراخا کر کہا اور پھر اس کی نظر میں مدب شیشے پر جم گئیں۔
مسز چودھری نے کسی نوکر کو آواز دے کر سکھوں کو اپر لانے کو کہا۔

فریدی نے نوکروں کے ہاتھ بھی دیکھے اور انہیں رخصت بھی کر دیا۔ اس کی پیشانی پر
سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور آنکھیں کسی گھری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

”آپ کو یقین ہے کہ انہیں کسی نے نہیں چھوڑا۔“

”مجھے یقین ہے.....لیکن ٹھہریے۔ میں صرف اپنی اور نوکروں کی ذمہ داری لے سکتی ہوں۔“

”فون تو ہو گا ہی آپ کے یہاں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں!“

”حمدید.....!“ فریدی حمدید کی طرف مڑکر بولا۔ ”فکر پنٹ کے فون گرفت کو یہاں آئے
کے لئے فون کر دو۔“

حمدید مسز چودھری کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ فریدی کھڑکی سے پائیں باغ میں جھاٹک رہا تھا۔

ٹھوڑی دیر بعد وہ دونوں والپیں آگئے۔ مسز چودھری کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

”کیا اوپری منزل اس وقت تک کے لئے مقفل کی جاسکتی ہے جب تک کہ ہمارے ذہن

گرافرنڈ آ جائیں۔“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں.....!“

”بہتر ہے..... آپ کو تکلیف تو ہو گی۔“

ٹھوڑی دیر بعد وہ ہال میں بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ اس دوڑان میں حمید نے
کئی بار مسز چودھری کو بے تھا شہرہ ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”پروفیسر درانی کے متعلق آپ کیا جانتی ہیں؟“ فریدی نے اچانک پوچھا۔

”میں کیا بتا سکتی ہوں جب کہ میں نے آج تک اسے ذیکھا ہی نہیں۔“

”پروفیسر چودھری سے اس کے متعلق بچھ سنا تو ہو گا۔“

”سننے کو تو بہت پچھا نہا ہے۔“

”آخر دہلیک کے سامنے کیوں نہیں آتا۔“

”شاید اپنی بد صورتی کی بناء پر۔ وہ بہت ہی بنے ڈول آدمی ہے۔ چودھری صاحب کا کہنا
تھا کہ کوئی اسے دیکھ کر اپنی فانی روک ہی نہیں سکتا۔ اکثر یونیورسٹی کے طلباں اس سے درس لیتے ہیں،
لیکن انہوں نے بھی اسے نہیں دیکھا۔“

”بھلا وہ کیسے؟“ حمید نے ہدھن اشتیاق بن کر پوچھا۔

”اس کی لیبارٹری میں لاوڈ اپنکیفت ہے۔ طلباء ہال بیٹھتے ہیں اور وہ اپنے کرائے نئے
انہیں درس دیتا ہے۔ اگر کسی طالب علم کو کوئی سوال کرنا ہو تو اس کیلئے ٹیلی فون استعمال کیا جاتا ہے۔“
”لیکن کبھی تو وہ باہر نکلا ہی ہو گا۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں! چودھری صاحب سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ادھر دن بارہ سال سے گوشہ نشین
ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے وہ اتنا بے ہنگم نہیں تھا۔ جوانی کے زمانے میں وہ خاصاً سو شل آدمی تھا۔“
”وہ تمہاں ہی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں اس کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اسے میں نے دیکھا ہے، بڑی بھوٹی ہے۔ لیکن اس
کے گھر کے گھنے گھنے سے ماحول نے اسے بھی نیم خبٹی بنا دیا ہے۔ ایک بار وہ چودھری صاحب
سے ہمراہ یہاں آئی تھی۔“

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ نجی گلگ بجا اور وہ تینوں ڈرائیکٹر کی طرف پڑے گے۔
نجی کے دروازے میں فریدی نے مسز چودھری سے پوچھا۔

”چودھری صاحب غائب ہونے سے کچھ دن قبل کسی غیر ملکی سے ملتے تھے؟“

”مجھے یاد نہیں۔ بایت دراصل یہ ہے کہ ان سے ملنے کے لئے جتنی بھی لوگ آتے تھے، عموماً خشک طبیعوں کے ہوا کرتے تھے ان لئے میں ان کا نوش ہی نہیں لیتی تھی اور نہ کبھی چودھری صاحب نے مجھے اس پر مجبور کیا۔“

”ویسے تو چودھری صاحب بھی خشک آدمی رہے ہوں گے۔“ حمید نے کہا۔

”قطیعی نہیں۔ مگر یوزندگی میں وہ قطعی خشک نہیں تھی۔“

”عجیب بات ہے۔“ حمید بولا۔

”ہم دونوں قطعی متفاہ طبیعوں کے نالک تھے۔“ مسز چودھری غلکن آواز میں بولی۔
”انہیں سائنس سے پیار تھا اور مجھے آرٹ سے بے۔ لیکن ہم دونوں کے یہ مختلف رجحانات کبھی برابر نہیں تھیں۔ میں ان کی لیبارڈی سے اٹھنے والی بدبوؤں پر جلایا کرتی تھی لیکن انہوں نے میری بنائی ہوئی تصاویر کو ہمیشہ قدر اور پسندیدگی کی نظر وہیں سے دیکھا ہے۔ اکثر وہ میری تصاویر کے مولڈ بھی بنے ہیں۔ وہ مجھے سے آرٹ پر اسی انداز سے بحث کرتے تھے جیسے وہ خود بھی ایک اچھے آرٹسٹ اور میرے بھی ذوق ہوں۔“

”آپ مصور بھی ہیں۔“ حمید اسے تعریف نظر وہیں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”کیوں نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تمہارے یہاں بھی تو تارا چودھری کا ایک شاہکار موجود ہے۔ وہ ویش کی تصویر ہے۔“

”اوہ۔ تارا چودھری آپ ہی ہیں۔“ حمید تھیر ہو کر بولا۔

لیکن فریدی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کی یہ حرمت قطعی مصنوعی تھی۔ اسے بھلا اس سے کیا غرض ہو سکتی تھی کہ اس عورت کا بسوش انسٹیشن کیا ہے۔ وہ تو ہر عورت کو صرف عورت سمجھتا تھا۔ اور اس۔

”تو وہ تصویر آپ نے خریدی تھی۔“ مسز چودھری نے مسکرا کر فریدی سے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔ پوری گلری میں مجھے صرف وہی تصویر پسند آئی تھی اور نمائش کے۔۔۔“

”یہی کے دن میں نے اسے خرید لیا تھا۔ لیکن وہ آخر تک گلری میں لگی رہی۔ بعد نو پہنچا کر اول انعام اسی تصویر کو ملا تھا۔“

”اس میں کیا بات پسند آئی تھی آپ کو؟“
”رگوں کا امتراج! جو چہرہ آپ نے پیش کیا تھا ان کی پیش منظر تک دلکش اداں شام کا انتخاب اور اس اداسی کے اظہار کے لئے مناسب رگوں کا استعمال اور اداہ چہرہ صحیح معنوں میں کلائیکی حسن کا حال تھا۔“

”فریدی صاحب! آپ کے اندر کس کہنہ مشق مصور کی روح موجود ہے۔“ مسز چودھری اسے تعریف نظر وہیں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”وہ دراصل پروفیسر درانی کی لاکی عامرہ کا چہرہ تھا۔ اس کے لئے میں نے اسی کو مذول بنایا تھا۔“

”نجی ختم کرنے کے بعد وہ پھر ہال میں آبیٹھے۔“

”تو ہوڑی دیر بعد فکر پر نستیکش کے فونوگر افریبھی آگئے اور لیبارڈی میں تصویریں لینے کا کام شروع ہو گیا۔ مختلف قسم کے آلات کی تصویریں لی گئیں۔ اس چھٹر کی تصویر بھی لی گئی جس میں پچھلی رات کو پروفیسر چودھری کا بھوت دکھائی دیا تھا۔“
”مسز چودھری ان ساری مشغولیات کو ہجرت کی نظر وہیں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔“
”پڑھنے وقت فریدی نے اس سے کہا۔ ”آپ آپ کو تو اسی میں روپورت کرو جائے کہ کچھ نامعلوم لوگ کافی رات گئے آپ کی کوئی میں گھس کر آپ بے آرام میں خلی ہوتے ہیں اور وہ کوششوں کے باوجود بھی ابھی تک نہ تو پیچانے جاسکے ہیں اور نہ پکڑنے جاسکے ہیں۔۔۔ اور ان کی اس ہڑبوگ کا مقصد بھی سمجھ میں نہیں آتا۔“

”فونوگر افر جا چکے تھے۔“

”والیسی میں فریدی چاہا۔۔۔ تربیت پونچنے سے تی کیاری میں بھک کر کچھ دیکھنے کا۔۔۔“
”پھر اس نے نئے نئے پوچھنے میں ہاتھہ ڈال دیا۔ وہ سب سے لمحے میں وہ ایک لمبی یہ چھڑی کو پر خیال انداز میں دیکھ رہا تھا۔ جس پر پالش نہیں تھی لیکن اس کی سطح پر یہی نقاشت کے ساتھ ہموار کی گئی تھی۔۔۔ بالکل سپاٹ اور چکنی۔۔۔ پالش نہ ہونے کے باوجود بھی اس میں چک تھی۔“

نائب ہو گیا اور اب بھوت بن کر نمودار ہوا ہے..... دوسری چیز یہ بھی قائل غور ہے کہ وہ سانپک سوت ہی پہنچنے ہوئے نائب ہو گیا تھا حتیٰ کہ گاؤں بھی نہیں پہنا تھا..... اور اب اگر وہ ہاتھی اس لڑکی پر فٹ ہو جاتا ہے تو حمید صاحب! میں یہ سمجھ لجھ کے مردہ آجائے گا۔

حمید نے ایک زور دار قہقہہ لکایا۔

”خیر ہے؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”مردہ آ رہا ہے۔“ حمید نے کہا اور سبھی بجانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”پروفیسر درانی سے کہاں رہے ہیں؟“

”ضروری نہیں کہاں سے ملا ہی جائے؟“

”آپ ملے یا نہ ملے میں تو نہیں گا۔“ حمید نے کہا۔
”کیوں؟“

”میں وہیں کی اس تصویر کو گوشت و پوست میں دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”یار مم آدمی ہو یا آدم خوب؟“

”فی الحال میں بہت شدت سے بور ہوں۔“ حمید ذرا مامنی انداز میں بولا۔ ”جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ وہیں کا موڈل وہی تھی۔ کیا نام بتایا تھا اس نے عامرہ نام بھی بڑا خوابناک ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں برشوں سے یہ نام بتتا آیا ہوں۔ میں بنے کئی بار سوچا ہے کہ میں وہیں کی اس تصویر کو چوم لوں مگر وہ کافی اونچائی پر گئی ہوئی ہے۔ ایک بار سریحی لارہا تھا کہ کتنے بھوکنے لگے۔“

”بکونہیں۔“ فریدی بیزاری سے بولا۔

”تو پھر کیا کروں؟“

فریدی اسے گھومنے لگا۔

”سامنے تو کچھ سامنے کہیں جنم میں نہ پہنچا دیجئے گا۔“

واقعی سڑک پر ٹریکٹ بہت زیادہ تھا۔ ذرا سی غلطی انہیں دوسری دنیا میں پہنچا کئی تھی۔

فریدی اپنا خپلا ہوت دانتوں میں دبائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

فریدی مسز چودھری کی طرف مرا۔

”کیا میں اسے لے سکتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”شوق سے۔“ مسز چودھری نے قہقہہ لگایا۔ پہلے

لیکن فریدی کی سنجیدگی ذکر کر فوراً ہی سنجھل گئی۔

فریدی کی کپڑی لاک جا چکی تھی۔ لیکن وہ بھی تک پھانک کے قریب کھڑی پکھ سوچ رہی تھی۔

گارساں

”ایت آفن میں چل کر سر کھاتے ہیں،“ حمید من بگاڑ کر بڑا لیا۔

”وہ نہیں فی الحال آفس نہیں جائیں گے۔“ فریدی نے کہا۔

”آخر یہ ٹوٹی پھولی چھڑی شرم نہیں آتی۔“

”اگر چل کر بتاؤں گا کہ شرم کیوں نہیں آتی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اوہ تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ ٹرانسپیر۔“

”چلن کر دیکھیں گے۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”لڑکی کی ساخت تو نہیں بتاتی ہے اور اس کا سر ابھی تو نہ ہوا ہے۔“

حمدی خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”آلات پر آپ نے جو نشانات دیکھتے تھے ...!“

”وہ مسز چودھری اور اس کے نوکروں کی الگیوں کے نہیں تھے۔“

”تو پھر اس بھوت کے ہو سکتے ہیں آخر اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

”فی الحال پکھ بھی نہیں لیکن اس کی یہ حرکت حرث انگریز ضرور ہے۔ چھ ماہ قبل اچا کم

ہوہا..... ای..... او..... ای

او پیارا بائیل لوگ تم اڑ جا رہا ہے

ہم کو بھی سنگ لے جائے گا کہ نہیں

نیلے آسان میں اوپر چڑیا لوگ بھی اڑتا ہے

گر، ہم سالاً لوکا پٹھا..... او دلا ہے

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا.....

ہوہا..... ای..... او..... ای

ای..... او..... ای

نیچے اپنے بچے کو دودھ پلا رہا ہے

اوٹھی اٹھے دے رہا ہے

پیاری اور پیارا شاہ بلوط کے درخت پر چوچ ملا رہا ہے

گھاس گھر متے کو چوتا ہے

ہم سالا بالکل اکیلا ہے

بیوی بچے کو ترس جائے گا

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا

ہوہا..... او..... ای..... او

فریدی دروازے میں کھڑا بے بی سے بنس رہا تھا۔

"آ خرم چاہیے کیا ہو.....؟"

"ایک ہفتہ کی چھٹی..... ای..... او..... ای"

"شٹ اپ.....!"

"ای..... او..... ای۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر اس کا منہ دبادیا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حمید کو اس پر قطعی تاؤ نہیں آیا۔ وہ اس کی گرفت سے نکل کر پھر بڑھانے لگا۔ نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا۔

..... گھر پہنچ کر مہمان خانیتے کی طرف چلا گیا۔ کیونکہ اسی حصے سے ایک کرنٹے میں تارا چوہرہ کی بنائی ہوئی تصوری آؤزیں تھی۔ وہ ذہنی دریہ مکان اسے دیکھتا رہا۔ تصوری یا اس لڑکی سے کوئی دلچسپی رہی ہو یا شرہی ہو لیکن وہ اس وقت فریدی کو تاؤ دلانے کے لئے ایسا کر رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس ماہ میں ایک یا دو ہفتے کی چاشی یہی کر کہیں باہر چلا جائے گا۔ لیکن یہ ٹرانسیور والا معاملہ بیچ میں آ کودا۔ لہذا ایسی صورت میں اس کی گلو خلاصی ناممکن تھی۔

تھوڑی ذہن بعد ایک توکرے سے تلاش کرتا ہوا وہاں آپسچالا۔ فریدی اپنے سونے کے کرنے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"تم کہاں پلے گئے تھے؟" فریدی نے جماں لیتے ہوئے کہا۔ "آپ کے پاندیا کے لئے ڈیاں کترنگا تھا۔" حمید نے ناک پر یا لگی رکھی اور چک کر بولا۔ لیکن اس کے انداز میں جلاہٹ بھی۔

"اوٹور.....؟" فریدی نے اٹھ کر اس کا گریبان پکڑا۔ "ہزار باری منہ کیا کہ رنجوں کی طرح.....؟" "صحت کا اثر.....؟" حمید بدلی سے بولا۔

"دیگر آؤت.....؟" فریدی پیچا۔ "جس کی وجہ سے کہاں پلے گئے تھے کہ جس کی وجہ سے کہاں پلے گئے تھے وہ بھی اپنے پنگ پر بیٹھ کر جوئے کے بند کھولنے لگا۔ حمید جانتا تھا کہ آج رات اسے جانانا رکھی پڑے گا اور زبردی بھی کھانی پڑے گی۔ بھلا فریدی اس بھوت کے درشن کے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ سی وحہ تھی کہ وہ آج خلاف معمول اس وقت اپنے سونے کے کربے میں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو اس ٹرانسیور کے مختلف معلومات بھی پہنچانے کی خواہش ضرور تھی لیکن وہ نہ جانتے کیون اس وقت فریدی کو نکل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ جانشنا چاہتا تھا کہ اس چھڑ کا کیا ہوا۔ ٹرانسیور اس پر فٹ ہوا یا نہیں۔

اس نے نیم اڑاںی ملوڑ پر اٹھ کر پڑیں یوکھوں دینا۔ لی ہی یہی سے مغربی موسیقی براؤ کا سات ہو رہی تھی۔ فتحا اپسے شرارت سوچی اور اس نے اچھل اچھل کر ایک بڑی میں گائیا شروع کر دیا۔ موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا۔

فریدی اسے سخنی سے گھورتا رہا۔ پھر ہفت پھیلا کر بولا۔ ”تمہیں چھٹی مل جائے گی“ اور کمرے سے چلا گیا۔

حید تھوڑی دیر تک کھڑا مکراز رہا۔ شاید اب اسے نئی شرارت سمجھی تھی۔ وہ بھی چپ چاپ اپنے کمرے سے ٹکل کر فریدی کے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی لیٹنے ہی جا رہا تھا کہ حید نے اس کے سرہانے کی گول میز پر سے پیش کا ہاتھی المالا اور دیوار سے ٹکی ہوئی چھڑی کے سرے پر اسے فٹ کرنے لگا۔

فریدی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ہاتھی کے پیٹ میں پتے ہوئے لکنوی کے لکڑے کا ایک ایک ریشہ چھڑی کے ناہوار سرے پر ٹھیک بیٹھا تھا۔

حید نے پر خیال انداز میں سرہلایا۔ وہ دراصل فریدی کی نقل کر رہا تھا۔ اس کے بعد وہ اسی کے مخصوص انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”یہ باہم کا عصانے ہیری ہے۔“ حید نے فریدی کے لبج کی نقل اتاری۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”ہائل اور قائل کی چنگ کے بعد اس پر ایا تیل نے قبضہ کر لیا تھا۔“

فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔

حید نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور آگے کی طرف جھکتے ہوئے دانت پر دانت جما کر کہنے لگا۔ ”جب آپ ہستے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دور کسی دیرانے کے ایک چھوٹے سے مندر میں چاندی کی گھنٹیاں نج رہی ہوں۔ جیسے کہکشاں کی ساری لڑیاں چمن چمن کرتی ایک دوسرا سے ٹکراتی سنگ مرکے فرش پر آگری ہوں۔“

”جیسے تمہاری عقل....!“ فریدی نے کہا۔ ”کسی دیرانے میں گھاس چڑھی ہو..... زیادہ بچپنا بھی کھلنے لگتا ہے۔“

”تو جتاب والا میں آپ کی طرح خس تو نہیں ہو سکتا۔ خدا نے اچھا کیا کہ آپ کو عورت نا کرم را غائب کے زمانے میں نہیں پیدا کیا۔ ورنہ وہ پیشہ آبا کو شاعری پر ترجیح دیتے اور آج مجھے اس حیرانی کا موقع نصیب نہ ہوتا کہ دل کو روؤں کی پیٹوں جگر کوئی۔“

”بک پچکے....؟“

”جی ہاں!“

”تو جا کر سو رہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری زندگی کی آخری نیند ہو۔“

فریدی نے کہا اس کا الجہد بتا رہا تھا کہ اس نے یہ بات مذاق میں نہیں کی۔ حید بھی یہ پہنچنے کا سخنی دیکھنے لگا۔

”جاو ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری آخری قنعت ہے ہوں۔“ فریدی نے پھر کہا۔

”آخر بات کیا ہے؟“ حید آہستہ سے بولا۔

” مقابلہ ایسے آدمی سے ہے کہ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔“

”یعنی....!“

فریدی نے وہ چھڑی حید کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے نیچے گلی ہوئی لوہے کی سلاخ کو جھکا دیا۔ پھر چھڑی کا اوپری حصہ حید کے چہرے کے قریب لے گیا۔

”پڑھو.....!“ وہ آہستہ سے بولا۔

چھڑی کے اوپری حصے کی سطح پر مستطیل کی تھوڑی سی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔

”گھار ساں.....!“ حید جھک کر بڑھا دیا۔ پھر سیدھا ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ نام بنانے بھی۔“

”ساتو ہے لیکن.....!“

”اس کے متعلق کچھ جانتے نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”یہ دنیا کا خوفناک ترین آدمی ہے۔ بچپن جگ میں جزا اٹھان میں جاپانیوں کا داخلہ اسی کے ذم سے ہوا تھا۔ جنن کے بعض اہم مقامات اسی کی بدولت نکل گئے تھے۔ بعد کو اس نے جاپانیوں کو بھی چکار دیا اور اتحادیوں سے جاتا۔ پھر اتحادیوں کو بھی ایک زیر دست چوٹ دے کر روپوش ہو گیا تھا۔ بہر حال آج ساری دنیا کی حکومتیں اس بات پر متفق ہیں کہ وہ جہاں دکھائی دے اسے گولی مار دی جائے۔“

حید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”کیا فرانس کا باشندہ ہے؟“ حید نے پوچھا۔

”نہیں.....!“

”لیکن نام تو فرانسیسوں ہی جیسا ہے۔“

”تم اسے فرخ اٹھو چائیز کہہ سکتے ہو۔ اس کا باپ اٹھو چائیز تھا اور ماں فرانسی تھی۔
بیوائش اٹھو چائیز ہی تھی۔“

”اور موت شاید ہمارے بیہاں ہوگی۔“ حمید بولا۔

”ایسا نہ کوئی..... یہ شخص ہے جس کی دُنی ساری دنیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اب تک نہ آ سماں پر رہا ہو گا اور نہ تخت الٹری میں..... لیکن آج تک کوئی اس کا کچھ نہیں بلکہ سکا۔“

”لیکن پروفیسر چودھری کی کوئی سے اس کا تعلق.....؟“ حمید نے کہا۔

”بھی تو دیکھنا ہے۔“ فریدی نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ حمید کو اس کی گلرمنڈی میں تھوڑی بہت سراستگی بھی نظر آ رہی تھی۔

”لیکن میں اسے اس لئے ڈھیل نہیں دے سکتا۔“ فریدی خود بخود بڑا بڑا۔ ”کہ اس کا اور چودھری کی کوئی تعلق معلوم کروں۔ اگر وہ نظر آ گیا تو.....“

”وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر بولا۔

”مسز چودھری نے پچھلی رات کو دھینگا مشتی کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ اگر وہ وہاں موجود تھا تو انہائی سراستگی کی حالت میں وہاں سے بجا گا۔“

”کیوں.....؟“

”اس کا شہوت وہاں اس ٹرانسیمیٹر کی موجودگی ہے۔ وہ اتنا بڑا س تھا کہ الگی چیز وہاں چھوڑ گیا جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی تھی۔“

”ممکن ہے..... چودھری کا بھوت.....!“ حمید بولا۔

”لیکن چودھری کا بھوت کیا بلا ہے؟“

فریدی نے فون کا رسیور اٹھایا۔

”ہیلو..... آفس آف دی نیو اسٹار..... ذرا انور صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔“ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”ہیلو انور!..... میں بول رہا ہوں..... فریدی..... ہاں..... حمید بالکل ٹھیک ہے..... سنو۔“

ایک کام ہے..... تم کبھی پروفیسر درانی سے ملتے ہو؟..... وہی ماہر علم الاجسام..... جو پیک میں نہیں آتا..... خیر مجھے اسی کی توقع تھی..... اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے..... اور میں بھی انہیں ملی فون ہی پر نہ تال دے..... عموماً پرنس رپورٹوں کے ساتھ یہی بتاؤ کرتا ہے..... اندر گھنے کی کوشش کرنا..... میں اس کے متعلق جانتا چاہتا ہوں..... بہر حال تم اس سے بچس غیں لو گے..... موضوع بتیزے ہیں..... اچھا چلو موضوع بھی بتائے دیتا ہوں..... ابھی حال ہی میں برازیل کی پہاڑیوں میں کسی قدیم جانور کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا ہے..... ساخت کے اعتبار سے وہ ایک ہاتھی سے بھی بڑے کنگاروں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا ہے..... تم اسی کے متعلق اس کی رائے لے سکتے ہو..... بہر حال کوشش کرو..... اگر کامیابی ہو گی تو خیر..... ورنہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا..... مجھے یقین ہے کہ تم اسے دیکھ کر اس کے کردار کے متعلق بہت کچھ بتا سکو گے..... اچھا۔“

فریدی نے رسیور رکھ دیا۔

”کیوں کیا یہ کام میں نہیں کر سکتا تھا.....؟“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

”تمہارے بیس کا نہیں۔“

”میں دکھاووں گا۔“

”بس بس میری مرضی کے بغیر کسی کام میں ناگز اڑانے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ نتیجے کے خود مسے دار ہو گے۔“

”آپ مجھ پر انور کو ترجیح دیتے ہیں۔“

”اماں کہہ دیا ایک بار کہ یہ کام تم نہ کر سکو گے۔ تم رپورٹوں کے میکٹ سے واقف نہیں۔“

”خیر ہو گا، مجھے کیا کرنا ہے۔“

”تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ فی الحال جا کر سو جاؤ۔“

”زبردستی سو جاؤ۔.....؟“

”کیا تم کل تین بجے تک جا گئے نہیں رہے؟“

نے صاف انکار کر دیا۔ ان دونوں میں اکثر اب بھی نہ صرف لڑائی جھگڑے بلکہ دھول دھپے کی بھی نوبت آ جاتی تھی۔ مگر یہ چیز دستانہ شکر رنجی سے آگے نہ بڑھتی۔
”چکھ سوچا تم نے؟“ انور اسے گھور کر بولا۔

”ہاں.....!“ رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

”کیا.....؟“

”بھی کہ اس پار پھر قرض لے کر کام چلانا پڑے گا۔“

”میں پروفیسر درانی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔“ انور جلا کر بولا۔

”اوہ.....!“ رشیدہ مخصوصیت سے بولی ”اس کے متعلق میں نے یہ سوچا ہے کہ وہ واقعی ایک ماہر سائنسدان ہے۔“

”چاٹا تو نہ کھاؤ گی۔“

”میرا گھونسہ ہضم کر سکو گے۔“

”روشنیں سچ پھٹپڑ مار دوں گا۔“

”میں تمہاری گال کا نوں تک پھاڑ دوں گی۔“

انور تھوڑی دیر تک اسے غصیل نظر دوں سے دیکھتا رہا پھر ٹھینٹ لگا۔

”اچھا تاپ کرو۔“ کچھ دیر بعد پھر وہ رشیدہ کی طرف مڑا۔

”کرو رہی ہوں۔“

”یہ شیٹ نکال دو اور جو میں کہوں وہ تاپ کرو۔“

رشیدہ نے تاک بھوں سکوڑ کر وہ شیٹ الگ کر دیا اور دوسرا شیٹ چڑھانے لگی۔

”ڈیز مژا انور.....!“ وہ بولنے لے گا۔ ”حالانکہ مجھے تمہاری برادری اور تمہارے پیشے سے سخت نفرت ہے اور میں نے آج تک کسی روپرڑ کو منہ نہیں لگایا لیکن میں تمہیں یہ شرف بتخے کے لئے تیار ہوں..... بر ازیل کے پہاڑوں میں جوڑھا نچھ پایا گیا ہے اس کے متعلق اخبارات میں معنکھے خیز قسم کی خیال آ رہیاں نظر آ رہی ہیں اور میں کئی دونوں سے اپنے ملک کے جاہل لوگوں کی عقولوں پر ماتم کر رہا ہوں۔ لہذا میں تمہیں یہ عزت بخش چاہتا ہوں کہ تمہارے انہر کے لئے اس

”یقیناً جا گئا رہا تھا مگر یہ ضروری نہیں کہ اس وقت نیند آ ہی جائے۔“

”بلاؤ اسے۔“ فریدی تنگ لمحے میں بولا۔ ”ورثہ اگر آج رات تم نے نیند کا نام لیا تو خیرت نہ سمجھو۔“

”آپ کے ساتھ بھی خیرت رہ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ بھی موئٹ ہے۔“

”پھر آگئے اسی موئٹ نہ کر پ۔ یاد میں تیر اس کہاں دے ماروں۔“

”کسی زم والیف سینے پ۔“

”دور ہو جاؤ۔“ فریدی نے اس کی گرد میں ہاتھ دے کر اسے کمرے سے باہر نکال دیا۔

حمدیدا پے کمرے میں چلا آیا۔ حقیقتاً اسے نیند پر بیٹھاں کئے ہوئے تھی۔ سر میں ہلکا ہلکا درد بھی ہونے لگا تھا۔ لیکن کل رات سے اب تک اتنے تحریک اگیز و اتفاقات پیش آئے تھے کہ اس کے

ذہن کی یکسوئی ہی رخصت ہو گئی تھی۔ لہذا اسی حالت میں سوچانا کافی مشکل تھا۔

کسی نہ کسی طرح اسے نیند آ ہی گئی۔

آہنی گرفت

کرام رپورٹ انور سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر فکر مندانہ انداز میں رشیدہ کی طرف مڑا

جس کی اگلیاں برق رفتاری کے ساتھ تاپ رائٹر کے بورڈ پر دوڑ رہی تھیں۔

رشیدہ اور وہ دونوں ابھی تک نیواشاری عی کے دفتر میں کام کر رہے تھے۔ عرصہ ہوا رشیدہ

کے راستے سے پرده اٹھ چکا تھا اور وہ دونوں اب بھی بہترین دوستوں کی طرح ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ کئی باراں کی بعض ہمدردوں نے انہیں شادی کا مشورہ دیا اور رشیدہ راضی بھی ہو گئی لیکن انور

”جب تو ٹھیک ہے۔ موت بھی اطلاع دیئے بغیر ہی آتی ہے۔“
”مشش.....!“

انور اپنی میز پر بیٹھ کر کام کرنے لگا۔ اس کی نظریں بار بار گھری کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔
”میں بھی چلوں گی۔“ شیدہ تھوڑی دیر بعد بوی۔
”نہیں.....!“
”دیکھتی ہوں تم کس طرح روکتے ہو۔“

”اس طرح۔“ انور نے کہا اور اٹھ کر کمرے کے دروازے بند کر دیئے اس کمرے میں صرف وہی دنوں بیٹھے تھے۔ پہلے انور بیٹھتا تھا اور رشیدہ کی میز کپوزیشنوں کے کمرے میں ہوا کرتی تھی لیکن بعد کو انور نے اسے بھی دیں بلایا تھا۔
دروازہ بند کر کے وہ رشیدہ کی طرف آیا۔ اس نے دنوں کاں مضبوطی سے پکڑ کر دو تین گھرے جھکولے دیئے اور پھر تین چار مرتبہ تھپٹر جھاڑ کر الگ ہٹ گیا۔
رشیدہ نے شور نہیں چالیا پہلے اسے گھوڑی رعنی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تھے لگے۔
”کہنے.....کتے.....سُور.....وُحشی.....جِنگلی.....یہ آفس ہے.....جہنم میں جاؤ۔“

آنکھیں خلک کر کے وہ پھر تاپ کرنے لگی۔ انور نے دروازہ کھول دیا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر سگر نہیں لے گئے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ رشیدہ نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ وہ بدستور سر جھکا کر تاپ کرتی رعنی۔

گھری نے سازھے چار بجائے اور انور کمرے سے نکل آیا۔ رشیدہ نے سراخا کر دیکھا تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کی موڑ سائکل پروفیسر درانی کی کوئی کی طرف جا رہی تھی۔ موڑ سائکل اس نے پورنگوہی میں پہنچ کر روکی اور دو منٹ تک اجنب بند نہیں کیا۔ پوری کوئی شور سے گونج رعنی تھی۔

ایک دبلا پٹلا اور کافی لمبا آدمی برآمدے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی سرخ کا سوت پہن۔ کجا تھا اور اگر دن میں شوخ رنگوں والی نائی تھی۔ چہرہ سفید اور زندگی کے

کے متعلق اپنے خیالات کا انہصار کروں۔ میں آج پانچ بجے شام کو مل سکتا ہوں۔“
انور خاموش ہو گیا اور رشیدہ سراخا کر تھیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”اس کا کیا مطلب.....؟“
”شیٹ نکال دو۔“ انور نے کہا۔ رشیدہ نے شیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ انور اس پڑھتا رہا۔ پھر اس نے اس کے نیچے فاؤنڈشن پن سے پروفیسر درانی کے دستخط کر دیئے۔
”کیوں شامت آتی ہے۔“ رشیدہ سر ہلا کر بوی۔ ”میں نے سنا ہے کہ وہ بعض اوقات ہاتھا پائی ملک اتر آتا ہے۔“

انور رشیدہ کی بات کا جواب دیئے بغیر ٹیلی فون کی طرف مڑا۔
”ہیلو.....!“ وہ ریسیور اٹھا کر ماڈٹھ چیزیں میں بولا۔ ”پروفیسر صاحب.....نہیں سیکریٹری نہیں.....ڈائریکٹر لائبریری.....پروفیسر صاحب.....میں انور بول رہا ہوں.....عزت افزائی کا مشکری.....لیکن میں فون پر انڑ دیں ہیں لوں گا.....میں آپ کے سامنے بیٹھنا چاہتا ہوں۔“
اور پھر اس نے ایک جھکلے کے ساتھ ریسیور کھدا اور اپنا کان سہلانے لگا۔
”میں سمجھ گئی.....!“ رشیدہ نے قہقہہ لگایا۔ ”لیکن یہ نہ بھولو کر ابھی تمہارے سر کے زخم کے کناروں پر بھی کھڑے نہیں جھی۔“
انور پھر کچھ نہ بولا۔

”تمہاری مرضی.....!“ رشیدہ پھر تاپ کرنے لگی۔ ”لیکن اگر تمہارے منہ کا ایک بھی دانت کم ہو تو میں تمہیں گھر میں نہ گھسنے دوں گی۔“

انور تھوڑی دیر تک اسے گھوڑا رہا پھر بولا۔
”تم اس کے متعلق کیا جانتی ہو؟“
”آج سے دو ماہ قبل اس نے ڈیلی میل کے روپورٹ کی چیزیں بنا دی تھی۔“
”مجھے بھی معلوم ہے۔“ انور سگر نہیں لے سکتا ہوا بولا۔
”اور جو راستہ تم اختیار کر رہے ہو وہ تو اسے بھیزیا بنا دے گا۔“
”میں نے کبھی کوئی کام سوچ بھجو کرنیں کیا۔“

صحت مند آثار سے قطعی محروم تھا۔ آنکھیں دھنڈلی اور عرق آلو تھیں۔

انور نے اسے دیکھ کر انہیں بند کر دیا اور اسٹینڈ گر اکر سیر چیاں طے کرنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ آدمی اسے خواب ناک انداز میں گھوڑتا ہوا بولا۔

”پروفیسر سے ملتا ہے۔“ انور لاپرواں سے بولا۔

”پروفیسر سے.....؟“ اس نے اس انداز میں دہلیا جیسے انور ملک الموت سے ملتے کامتی ہو۔

”خود انہوں نے مجھے بلایا ہے۔“

”انہوں نے! لیکن مجھے تو اس کی اطلاع نہیں۔“

”آپ میں کون؟“ انور نے اسے گھوڑ کر پوچھا۔

”ان کا سیکریٹری۔“

”لیکن انہوں نے مجھے بلایا ہے اور برادر راست مجھ سے گفتگو کرنا جانتے ہیں۔“

”برادر راست.....!“ وہ اس طرح بولا جیسے خواب میں بڑا رہا ہو۔ اس کی نظریں انور کے چہرے پر جھی ہوئی تھیں۔ نہ جانے کیوں انور کے ذہن میں ایک کچھی چیخا ہوا پرانا سائب کلبانے لگا۔

”ہاں ہاں جتاب برادر راست.....!“

”ثبوت.....؟“

”اکھی پچھر دیر قل میں نے فون پر ان سے بات کی تھی۔“

”خبر میں پوچھتا ہوں..... آئیے۔“

وہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ سیکریٹری نے ایک کری کی طرف اشارہ کر کے ٹیلی فون کار سیوز اٹھایا۔

انور بیٹھ کر اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ذرہ برا بر بھی سر ایسکی کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پروفیسر نے کچھ اُسے مدد کیا ہو۔

سیکریٹری ماڈ تھیں میں ہکلار رہا تھا۔

”لیں سر..... ایک صاحب..... وہ لیں سر..... آپ نے انہیں بلایا تھا..... لیں سر.....“

”وہ بھی کہتے ہیں..... لیں سر۔“

”پھر وہ ماڈ تھیں کو ہاتھ سے بند کر کے انور کی طرف مڑا۔“ کیا نام بتایا تھا آپ نے؟“

”انور سید۔“

سیکریٹری ماڈ تھیں میں بولنے لگا۔

”لیں سر..... انور سید صاحب..... اچھا صاحب نہیں..... صرف انور سید..... لیں سر۔“

”مسٹر، آپ خود گفتگو کر لجئے۔“ اس نے رسیور انور کی طرف بڑھا دیا۔

”ہیلو.....!“ انور کو فون میں عجیب قسم کی غراہٹ سنائی دی۔

”کون ہو تم؟“

”انور سید..... نہ اشارہ کار پورٹر۔“

”کیا ہے؟“ عجیب طرح کی آواز تھی۔

”آپ نے مجھے بلایا ہے۔“

”بکواس ہے..... تمہارا دماغ خراب ہے۔“

”تو پھر آپ نے مجھے کیوں پریشان کیا۔“ انور اس زور سے چیخا کہ کمرہ گونج اٹھا اور

سیکریٹری اسے گھوڑنے لگا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک ہمیمان بخش مسکراہٹ تھی۔

انور اسے سکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے تمہیں نہیں بلایا۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”میرے پاس آپ کی تحریر موجود ہے۔“ انور جھلانے ہوئے انداز میں بولا۔ ”میرا وقت بہت قیمتی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ تھوڑے توقف کے بعد آواز آئی۔ ”سیکریٹری۔“

انور نے رسیور سیکریٹری کی طرف بڑھا دیا۔

”لیں سر..... لیں سر..... ویری ول سر.....!“

”جا جائے۔“ وہ رسیور کھکھ کر انور کی طرف مڑا۔ ”راہداری کے آخری سرے پر داہنی طرف

”جا جائے گا۔“

آنے آنوس کی گول میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاؤ جیجے گا۔ میں فوراً آجائوں گی۔ داہنے ہاتھ کی طرف سامنے والا کمرہ۔ لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے تین بار دروازہ پر ہلکی ہلکی دستک ضرور دیجئے گا۔ اور نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔

”آجاؤ.....!“ اندر ایک غراہت نما بے ہمک آواز سنائی دی۔

اور دروازے کو دھکا دے کر بے دھرک اندر چلا گیا۔ ایک بڑی میز کے پیچے اسے ایک عجیب اخلاقت آدمی یا جانور کا سر دکھائی دیا۔ چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی اور اس ڈاڑھی کی موجودگی نہیں وہ سر کسی ارنے نہیں سے کسر معلوم ہو رہا تھا۔

”گذرا یونگ پروفیسر.....!“ اور قدرے جھک کر بولا۔

”انگریز کی پیچے ہو؟“ ایک چلگاہ سنائی دی۔

”اچھا السلام علیکم.....!“

”علیکم السلام..... تم جھوٹے ہو..... میں نے پہلے کبھی تمہیں نہیں دیکھا..... بیٹھ جاؤ۔“ اس نے بڑی میز کے سامنے رکھی کری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اور بیٹھ گیا۔

پروفیسر درانی ایک چکر کھانے والی کری میں دھندا ہوا تھا۔ اور نے محبوس کیا کہ سر کی نسبت اس کا جسم بھی کافی پھیلا د رکھتا ہے۔

”وہ میری تحریر کہاں ہے؟“ پروفیسر کی چلگاہ پھر سنائی دی۔

اور نے تاپ کیا ہوا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

خط پڑھتے وقت پروفیسر درانی کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہو گیا۔ اس کی نسخہ سرخ آنکھیں اٹھ لگیں۔ اور پھر..... اور نے اس کے طبق سے نکلنے والی بے ہمک آوازوں کو مصلحت نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

”یہ میرے دستخط نہیں ہیں۔“ وہ چلگاہ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی عظیم الشان توں دیز کے اوپر لہانے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مثل طرز کی کسی عمارت کا گندب تحرک ہو گیا ہو۔ وہ میز پر اپنے ”لوں ہاتھ“ نیکے اور کو خونخوار نظروں سے گھوڑ رہا تھا۔ ایک ٹھنڈی سی لہر اسکے جسم میں دوڑ گئی۔

”آپ چل کر دکھادیجئے۔“

”میں..... اوہ.....!“ وہ ہٹلایا۔ ”مجھے فون پر اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں تھی۔“

اور چند لمحے اسے گھوٹا رہا پھر رابداری میں داخل ہو گیا۔ آخری سرے پر پہنچنے سے پہلے ہی اسے اپنی پشت پر ایک سریلی آواز سنائی دی۔

”ٹھہریے۔“

اور چونک کرمرا۔

اس سے کچھ فاصلے پر ایک دلی ٹکنی اور خوبصورت سی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں کسی خوفزدہ ہرنی کی آنکھوں سے مشاہدہ تھیں۔ چہرے پر ایک غم آسودہ اضمال طاری تھا۔ اور دل ہی دل میں اس کے حسن کی تعریف کے بغیر نہ رہ سکا۔

”آپ ڈیٹی ہی سے ملنے آئے ہیں؟“

”جی ہاں.....!“ غالباً آپ کا مطلب پروفیسر صاحب ہے۔

لوکی سر ہلا کر بولی۔ ”آپ اس سے پہلے کبھی کبھی ان سے مل چکے ہیں؟“

”جی نہیں!“

لوکی کی آنکھوں سے خوف جھائکنے لگا۔

”خدا را ان سے کسی بات پر بحث نہ کیجئے گا۔“

”کیوں؟“ اور نے پوچھا۔

”کیا آپ نے ان کے متعلق کچھ نہیں سنایا.....؟“

”نہیں۔“

”آپ کے سر پر پٹی کیسی بندگی ہوئی ہے؟“ لوکی نے پوچھا۔

”چوٹ ہے۔“

”سب تو آپ خدا را اپس چلے جائیے..... جائیے۔“

”میں ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔“

لوکی تھوڑی دیر کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”جائیے! لیکن جیسے ہی انہیں کسی بات پر غ-

ظاہر ہو سکے کہ وہ اس سے مردوب ہو گیا ہے۔ حالانکہ اسے شروع ہی سے یہ محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی خونخوار پیچھے کے کٹھرے میں بند کر دیا گیا ہو۔

”اس ڈھانچے کے متعلق دنیا آپ کے خیالات کی منتظر ہے۔“ انور نے کہا۔

”دنیا کو اگر اس کی ضرورت ہوگی تو میرے پاس باقاعدہ طور پر وفادار ہے گا۔ اس کے لئے میں کسی حقیر پرلس رپورٹ سے گفتگو کرنے پسند نہیں کرتا۔ ناؤ گٹ آؤٹ۔“

”اچھا تو یہ حقیر پرلس رپورٹ آپ کو اس فرعونیت کا مزہ پکھا دے گا۔“ انور جانے کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔ دراصل اس کا مقصد مل ہو گیا تھا۔ فریدی نے اسے صرف اس کے عادات و اطوار اور حلیہ وغیرہ معلوم کرنے کے لئے ہدایت دی تھی۔

”مجھ پر اپنے چیختڑے کے ذریعے گندگی اچھا لو گے۔“ پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

”نہیں..... میں اتنی پست ذہنیت نہیں رکھتا۔“ انور جانے کے لئے مڑا۔

”دھنہرہ! کیا تمہیں ڈیلی میل کے رپورٹ کا حصہ نہیں معلوم تھا۔“

”معلوم تھا..... اور اس وقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ شاید اس نے بھرٹ کا دودھ پیا تھا۔“ پروفیسر درانی اچھل کر میز کے پیچے سے نکل آیا۔

انور کے سامنے دنیا کا آٹھواں ٹوپیہ کھڑا تھا۔ اس کا قد سماڑھے چار فٹ سے کم طرح زیادہ نہ رہا ہو گا۔ مگر پھیلاو..... خدا کی پناہ..... انور سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں اتفاق سے اس پر گر ہی گیا تو اس کی بہیاں سرمدہ ہو جائیں گی اور جسم امرد کی جیلی بن جائے گا۔

”لیکن تم نے شاید کسی گدگی کا دودھ پیا ہے۔“ پروفیسر اور کی طرف چھپتا۔ انور اچھل کر ایک طرف ہو گیا اور پروفیسر اپنے زور میں دیوار سے جاگلکرایا۔ اس کے منہ سے ایک بھی کمیچھ نکلی اور وہ پھر پلٹ پڑا۔ انور نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا بھاری بھر کم جسم اسے ہلنے سے بھی باز رکھتا ہو گا۔ لیکن اس کا پھر تیلا پین دیکھ کر اسے پچک آئے لگا۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور انور سارے کمرے میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ پروفیسر دروازے کی خاص طور پر حفاظت کر رہا ہے۔ کمرے کی چوڑائی کم تھی اسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے ایک بار بھی اس کے قریب سے نکلنے کی کوشش کی تو موت ہی ناگہ پکولے گی۔ انور نے

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ انور نے لاپرواٹی سے کہا۔

”میں تمہیں سمجھاؤں گا۔“ وہ ایک چھٹے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میں اس ڈھانچے سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے تمہیں بلا دوں گا۔ تمہیں تم جو ایک مائل پر اختطاب نسل سے تعلق رکھتے ہو۔ تم جس کی ذہانت میں ڈک اور چوہے کی ذہانت کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تم ایک پرلس رپورٹ، کچوے سے بدتر..... میں تمہیں بلا دوں گا..... ایک سائینٹیفیک مسئلے پر اٹھا رہا خیال کرنے کیلئے۔ تمہارے اوپر تو ایک جمنیزی کی کھال بھی نامناسب حلوم ہو گی دفان ہو جاؤ۔“ ”میں آپ کی زندگی میں دن ہونے کے لئے تیار نہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”دفن نہیں دفان.....!“ وہ میز پر گھوسنے والے طبقے کے مل چیخا اور کمرے میں کم از کم ایک ہزار آوازیں بکھر گئیں۔

انور خاموش بیٹھا رہا۔ وہ دیدہ و دانستہ یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس سے ذرہ برا بر بھی خائف نہیں۔ پروفیسر درانی کی سائنس پھول رہتی تھی۔

”میں سمجھتا ہوں۔“ وہ دانت پیس کر ہامپتا ہوا بولا۔ ”تم نے میرا وقت بر باد کرنے کے لئے یہ چال چلی ہے۔“

”مجیتیت بزرگ آپ کو میری اس شرارت پر بھی آنی چاہئے تھی۔“ انور سمجھ دیگر سے بولا۔ ”بھی.....!“ پروفیسر اچھل کر بولا۔ ”مجھے کبھی بھی نہیں آتی۔ میں بندروں کی طرح دانت نکالنا پسند نہیں کرتا۔“

”تو پھر آپ کو بن مانسوں کی طرح خاک بھی نہ اٹانی چاہئے۔“ انور اپری ہونٹ بھیج کر بولا۔ ”کیا.....؟“ پروفیسر پھر کھڑا ہو گیا۔

”میرا خیال ہے کہ میں اس وقت دنیا کے عظیم ترین سائنسٹ سے گفتگو کر رہا ہوں۔“ اور کے لئے بھی میز اڑی تھی۔

پروفیسر پھر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ شعلہ بار ہو گئی تھیں۔ ”گٹ آؤٹ۔“ دفتارہ اتنی زور سے چیخا کہ انور چوک پڑا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

لیکن اس نے بھی یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے چہرے پر ایسے آثار بیدانہ ہونے دے گا جن سے:

”جاو..... بھاگو.....!“ وہ انور کو دروازے کی طرف ہکھتی ہوئی بوی۔ انور اس طرح نہیں بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس سے اس کارونا نہ دیکھا گیا۔ وہ کسی شخصی سی بچی کی طرح بلک بلک کر رہی تھی۔ اس نے انور کو باہر ہکھل کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

انور چند لمحے کھڑا لڑکی کے روئے کی آواز سخنارہ۔ شاید پروفیسر اسے چکار رہا تھا۔ وہاں مزید ٹھہرنا فضول سمجھ کر انور چل پڑا۔ اس کی حالت بڑی متعجب تھی۔ سارے کپڑے سیاہ اس ہو گئے تھے اور اسے یہ سوچ سوچ کر شرم آرہی تھی کہ ابھی اسے اسی حالت میں شہر کی سڑکوں سے گزرنा ہو گا۔
بہر حال وہ جوں توں گھر پہنچا۔

سات بجے تھے اور اندر ہمراگہر اہو گیا تھا۔ اس کے قلب میں روشنی تھی۔ رشیدہ قلب میں موجود تھی۔ انور کو اس حال میں دیکھ کر اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

چند لمحے خاموش کھڑی اسے گھوٹی رہی پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی اور پھر دونوں ہاتھوں سے اس کے گالوں پر چانٹوں کی بوچھاڑ کر دی۔
”میرور..... کینے..... کتے..... میں منع کرنی تھی۔“

انور خاموشی سے پٹا رہا۔

پھر رشیدہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھر بچوت کر دوئے گئے۔ انور اس کا نوش لئے بغیر کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ رشیدہ کی سکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ انور کی نظریں باہر سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔
پھر اس نے فون کار سیور اٹھایا اور فریدی کو فون کرنے لگا۔

شروع سے آخر تک کی رواداد ہرانے کے بعد اس نے ریسیور کھدا دیا اور رشیدہ کی طرف مڑک رہا۔

”میرے زخم صاف کر کے بیٹھ تھج کر دو۔“

رشیدہ آنسو پُنچھتی ہوئی تھی اور ڈرینک کا سامان درست کرنے لگی۔

پوری قوت لگا کر بڑی میز اٹھ دی۔ پروفیسر زخمی تھیر کی طرح دھاڑ کر اس کی طرف جھپٹتا۔ انور جھک کر میز کی اوٹ میں ہو گیا۔ پروفیسر بھی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر جھکتا۔ انور نے ہائی جمپ کی مشق کا مظاہرہ کیا..... لیکن اس کی ایک ناگا۔ پروفیسر کے ہاتھ میں آہی تھی..... اور پھر انتہائی ابھجن کی حالت میں بھی اسے بھی آگئی۔ وہ فرش پر اونڈھا پڑا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں پروفیسر کے ہاتھوں میں تھیں اور پروفیسر بھی اونڈھا پڑا ہوا بن مانسول کی طرح شور چارہ تھا۔ انور کو اپنی پنڈلیاں نوئی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن اسے اطمینان تھا کہ اب پروفیسر خود سے قیامت تک نہ اٹھ سکے گا۔ تاوقیکہ اس کی ٹانگیں نہ چھوڑ دے۔ انور کہیاں زمین پر ٹیک کر آگے ٹکنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔

اس جدو جہد کے دوران میں انور کا سر کئی بار دیوار سے ٹکرا گیا تھا اور زخم پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔ زخم پر بندگی ہوئی پیٹ سے خون رنسے لگا۔ چہرے پر کئی جگہ خراشیں آگئی تھیں۔ ناک کے قریب داہنے گال کا بہت سا چڑھہ ٹکل گیا تھا۔

پروفیسر نے بھی شاید تباہ کر لیا تھا کہ وہ اس کی ٹانگیں نہ چھوڑے گا۔ دونوں ابھی تک زمین پر اونڈھے پڑے تھے۔ پروفیسر نے چھنانڈ کر دیا تھا۔ البتہ اس کی چھستی ہوئی سانسیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

رفعتاً انور کو آہوں کی گول میز کا خیال آیا۔ جو قریب ہی پڑی ہوئی تھی اور اس کی دستی سے باہر نہ تھی۔ اس نے خود کو آہے دھڑ سے اٹھایا اور میز پر رکھی ہوئی بر قی گھنٹی کا بٹن دبادیا۔ تھوڑی دیر بعد راہداری میں تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی اور وہی لڑکی اندر رکھ آئی۔ ”ڈیڈی.....!“ وہ زور سے چھپی..... اور انور کی ٹانگوں پر پروفیسر کی گرفت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئی۔

”ڈیڈی..... چھوڑ دو..... اسے۔“

”بھاگ جاؤ.....!“ پروفیسر غرابیا۔

”میں اپنا گلا گھونٹ لوں گی۔“ وہ بلبلہ کر روپڑی۔

پروفیسر نے انور کے پیارے چھوڑ دیئے اور انور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ بھی عالم ہیں اسی لئے..... میں تمہرا جاہل..... ہمیشہ جو تے کامنہا رہتا ہوں اس لئے میرے ہاتھ میں تو جوتا ہوگا۔“

”تم اور سے زیادہ طاقت ورنہیں ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”کیا فرمایا آپ نے..... خدا کی تم پھر ایک دن بھی سکی۔“

”کیا.....؟“

”میری اور انور کی کشتی۔“

”آپ کشتی لڑیں گے؟“ فریدی تمثیرانہ انداز میں بولا۔

”آپ مجھے اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہیں۔“ حمید اکٹھ کر بولا۔ ”اچھا آپ ہی میرا بچہ موڑ دیجئے۔“

”حمید نے بچہ آگے بڑھا دیا۔ فریدی نے اپنی الگلیاں اس میں پھنسائیں اور.....“

”ارے..... ارے“ حمید مل کھانے لگا۔ ”توڑنے کو کب کہا تھا۔“

فریدی نے پس کر ہاتھ چھوڑ دیا۔

”اچھا اب اٹھنا چاہئے۔“ فریدی نے گھٹری کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مہریے.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ذر ایک بات اور سمجھ لینے دیجئے ورنہ بعد کو آپ

نئے اڑام دیں کیونکہ آج کل مجھ پر کشت و خون بڑی طرح سوار ہے۔“

فریدی استغفاریہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ظاہر ہے کہ آپ کسی ارادے سے نہ لئے ہیں اور آپ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک

خڑناک آدمی ہے اور آپ کو یہاں اس کی موجودگی کا یقین واثق ہے اور ہم دونوں شہزادیاں

جاری ہیں۔ آپ نے مجھے کوئی اس سے باخبر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ بڑی اہم چیز ہے۔“

حمد خاموش ہو گیا۔

”تم اپنی کس بات کا جواب چاہتے ہو؟“ فریدی بولا۔ ”میرے خیال سے تم نے کوئی

جواب طلب بات کیی ہی نہیں۔“

”ہم تھا کیوں جاری ہے ہیں؟“

”معاملات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے..... ابھی ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“

اور سگر ہست سلاک کر ٹھلنے لگا۔

رشیدہ اب بھی روئے جا رہی تھی۔

”او..... رشیدہ کی بیگی..... مجھے آنسوؤں سے نفرت ہے۔“ اور نے کہا اور اسے گھومنے لگا۔

کچھ گھونسے کچھ فائز

نو بجے رات کو فریدی اور حمید آر جھو میں کافی لپی رہے تھے۔ کچھ دری قبل حمید انور کی معقول مرمت پر دل کھول کر نہیں چکا تھا اور اب دونوں خاموشی سے کسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔

”کیا آپ کو واقعی پروفیسر درانی پر بھی شبہ ہے؟“ حمید نے تھوڑی دری بعد پوچھا۔

”نہیں..... لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ پروفیسر چودھری کے معاملے پر کچھ روشنی ڈال سکے۔“

”تو آخر انور کی جامت بنوانے سے کیا فائدہ ہوا آپ کو.....؟“

”میں پروفیسر درانی کو اتنا پاگل نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال اس سے ملنے سے قبل میں اس کی شخصیت۔ کہ بارے میں اندازہ لگالیتا چاہتا تھا۔ وہ انتہائی ضدی مخرور اور احساس برتری کا ذخیار معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کوئی کام کی بات معلوم کرنے کے سلسلے میں کافی احتیاط برتنی پڑے گی۔“

”آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی ہوا ہو۔“

”یہ بات نہیں وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ ملک کے چوٹی کے لیڈر اس کا نام عزت سے لیتے ہیں اور اس کی بد دماغیوں کے باوجود بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ تم شاید اس خیال میں ہو گے کہ اس سے دھونس دھڑلے سے بھی کام نکل جائے گا۔“

”اچھا اگر وہ کمینگی ہی پر آمادہ ہو گی تو کیا کیجھ گا۔“ حمید بولا۔

”طرح دینی پڑے گی حمید صاحب۔ اس کی علیت کی بناء پر میں اس کا احترام کرتا ہوں۔“

فریدی بولا۔

164

"اور اگر معاملات نے ہمارا صحیح اندازہ لگایا تو۔"

"بکومت..... گٹ آؤٹ۔"

رسپشن روم میں آ کر انہوں نے اپنے اور کوت پہنچنے۔ فلٹ بیت اٹھائے اور کار کھڑے کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ خندی ہوا ان کے گال سہلاتی ہوئی کاونس میں گھس ریتی۔ سڑک پار کر کے ایک گلی میں گھستے وقت انہوں نے فلٹ پیٹوں کے گوشے چیزوں پر جھکا لئے۔

"وسی سڑک پر پہنچ کر وہ ایک ٹکھی میں بیٹھ گئے اور ٹکھی چل پڑی۔ حید پاپ میں تمباک بھرتا ہوا فریدی کی طرف مڑا۔ جو سیٹ بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوٹ سے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"تم تو عروتوں کے بڑے گھرے باش ہو۔" دھننا وہ حید کی طرف مڑ کر بولا۔

"خربت.....؟" حید نے پاپ سلاکتے رک کر کہا۔

"مسرچ چودھری نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ پروفیسر چودھری کے سارے جو تے ہی موجود تھے اور وہ چیل بھی پلٹک ہی کے پاس پڑے پائے گئے تھے جنہیں وہ رات کو پہنچا کرنا تھا۔

"اس نے بتایا نہیں تو آپ کو معلوم کیسے ہوا.....؟"

"پولیس کی تفہیش روپورٹ سے۔"

حید کی سوچ میں پڑ گیا پھر مسکرا کر بولا۔

"میں یقیناً عروتوں کی نفیات کا ماہر ہوں لیکن جو توں اور چلپوں پر میری نظر نہیں رہتی ہیں۔ Leg کا شکار نہیں۔"

"یقیناً ہو..... میں نے جنمیں انہیں عروتوں کے پیچھے جا گئے دیکھا ہے جن کے پیر سبک اور حسین ہوتے ہیں کچھ تجنب نہیں کرم ان کے انکوٹھے بھی چوتے ہو۔"

"اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی اپنا ہی انکوٹھا چو سنے لگتا ہوں۔"

"بات پھر ادھر ادھر ہوگی۔ میں نے وہ بات اس لئے کہی تھی کہ تم اس پر سنجیدگی سے غور کر، گے۔"

165

"تو جتاب اگر آپ سنجیدگی سے پوچھتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں اسے مکار سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو۔ بڑی پیاری عورت ہے۔"

"جذبات سے الگ رہ کر سوچو.....!"

"ناممکن فریدی صاحب۔ آپ قطعی غیر فطری بات کہہ رہے ہیں۔ کوئی مرد کسی ایسی عورت سے متعلق جذبات سے الگ رہ کر کچھ سوچ ہی نہیں سکتا جس کے ساتھ اس کے مخفی رشتے کا قیام ممکن ہو۔"

"کبھی بھی یہ بھول جایا کرو کہ تم مرد ہو۔"

"یہ بھی غیر فطری ہے۔"

"میری مثال سامنے رکھو۔"

"آپ خود کو دھوکا دیتے ہیں۔ آپ کسی خطرناک Complex کے شکار ہیں۔"

"خیر چلو بھی سکی۔ میں اس کی تردید نہیں کر سکتا۔ اگر آدمی کے ساتھ Complex نہ ہوں تو وہ اپاچ ہو جائے۔ مگر تم اس پر مخفف نہ دل سے غور کرنا۔"

"خدا نہ کرے کہ کبھی میرا دل خندنا ہو..... جس دن ایسا ہوا خود کشی کروں گا۔" پروفیسر چودھری کی کوئی تربیت ہی تھی۔ فریدی نے ٹکھی روائی اور وہ دونوں پیچے اتر گئے۔ سڑک سنان پڑی تھی اور اس کے کنارے بجلی کے کھبے اپنی زرد روشنی سمیت بے کراس رات ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے۔

فریدی اور حید سڑک چھوڑ کر عمارت کی پشت پر بھیلی ہوئی تاریکی میں چلے گئے۔

"میرا خیال ہے کہ چودھری کی کوئی بھی بھی ہے۔" فریدی بولا۔ تھوڑی دیر تک تاریکی میں اُبی ہوئی عمارت کے پیچے سے اور پر ٹک دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔ "تھوڑی بہت محنت تو کرنی ہی پڑے گی۔"

"یعنی.....؟"

"ٹھہر دیتا ہوں....." فریدی نے کہا اور دیوار کی طرف چلا گیا۔ حید بھی بڑھا فریدی دیوار کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اور پر کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے جیب سے تارچ روشن کر کے چاروں طرف دیکھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جو کبھی یہ روم کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا، وہاگا اور گرد و غبار سے ظاہر ہوا تھا کہ عرصہ سے اس کی خبر نہیں لی گئی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ فریدی کو اس دروازے کا بھی ایک شیشہ کائن پڑا۔ اس سے قبل وہ پاسپ ہی پر چڑھے چڑھے کھڑکی کا بھی شیشہ کاٹ چکا تھا۔ دروازے کے بولٹ میں تالا نہیں تھا۔ اس لئے دروازہ کھول لینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کمرے سے ٹکل کر انہیں کوئی وقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ دن ہی میں اوپری منزل کو اچھی طرح دیکھ بھال چکے تھے۔ طویل راہداری سے گزرتے وقت دھنٹا فریدی نے حید کا شانہ دبایا۔ حید بھی رک گیا۔

زینوں پر آہٹ سائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے ہال کی طرف والے زینوں کی سمت چل گئے۔ انہوں نے وہ آہٹ بیر و فی زینوں پر سنی تھی۔

آنے والا تھوڑی دیر تک راہداری کی ایک کھلی کھڑکی کے قریب کھڑا رہا۔ تاروں بھرے آسان کے پس مفتریں اس کے خطوط صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ کوئی مرد تھا وہ آدھے دھڑ سے کھڑکی کے باہر جھکا اور پھر وہاں سے ہٹ کر پروفسر چودھری کی لیبارٹری کے دروازے پر آ گیا۔ انہوں نے تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنی۔ دروازے بلکی آواز کے ساتھ کھلے اور قدموں کی آہٹ دوڑ ہوتی چل گئی۔

وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے لیبارٹری میں داخل ہو گئے۔ لیکن..... ابھی ان کی آنکھیں اس آدمی کو تلاش کر رہی تھیں کہ پیچے سے کئی آدمی ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر میزوں پر رکھے ہوئے شیشے کے آلات پھٹا چھین ٹوٹئے گے۔ فریدی اور حید کو ایک درستے کی خبر نہ رہی۔
وہ کل پانچ تھے۔

”شلاز! خود کو ہمارے حوالے کر دو۔“ دروازے پر کسی نے انگریزی میں کہا۔ لیجہ بھی غیر ملکی تھا۔ پانچوں کے ہاتھ رک گئے۔ فریدی کو چھینک آئی۔ پھر ایک دوسرا چھینک سائی دی اور فریدی نے اندازہ لگایا کہ حید کہاں ہے۔ شاید یہ اشارہ انہوں نے ایسے ہی موقع کے لئے مقرر کیا تھا۔

فریدی ایک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ شاید ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سوچ

”اس پاسپ کے سہارے ہمیں اوپر جانا ہے۔“ فریدی نے سرگوشی کی۔

”اپنے بس کا روگ نہیں۔“ حید بھنا کر بولا۔ ”پہلے سے بتا دیا ہوتا تو لگوٹی باندھ کر آتا آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“

”کیا مصیبت آ گئی۔“

”المشر و سر لاد کر مجھ سے نہ چڑھا جائے گا۔“

”المشر اتار دو۔“

”رکھوں کہاں.....؟“

”مجھے دو.....!“ فریدی نے کہا اور بیٹھ کر اپنے جوئے اتارنے لگا۔ جوئے جیبوں میں ٹھوٹ کر اس نے حید کا المشر کاندھے پر ڈالا اور فلٹ ہیٹ کو سر کی پشت پر چکا کر پاسپ کے سہارے اور پر چڑھنے لگا۔ حید کو طوعاً اور کہا اس کی تقلید کرنی پڑی۔ پاسپ کے لوہے کی مخفیہ کر ہاتھوں کی ہڈیوں میں لگھی جا رہی تھی۔ تھوڑی دور چڑھنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر اپر دیکھا۔ فلٹ ہیٹ سرک کر نیچے چلی گئی اور وہ دل ہی دل میں کوئی اچھوتوی اور نی گالی تلاش کرنے لگا۔ پاسپ سے ملی ہوئی کھڑکی صاف نظر آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے ایک ٹاگ بڑھا کر کھڑکی کے اندر رکھی اور حید کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حید کی حالت ابتر تھی۔ اسے ایسا محبوں ہو رہا تھا جیسے پاسپ گرفت سے اب تک لات بنا سانس پھول گئی تھی۔ ہاتھ اور پیر پھر کی طرح سخت اور بے حس ہوئے جا رہے تھے۔ بدقت تماہ وہ کھڑکی تک پہنچ ہی گیا۔ لیکن اگر فریدی اسے فوراً ہی سنبھال نہ لیتا تو وہ کھڑکی اس کے لئے جنت کی کھڑکی ثابت ہوتی۔

کمرے میں اندر ہی رکھا۔ حید جوئے پہننے لگا۔ پھر فریدی نے اس کا اور کوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اتفاقاً اس کا ہاتھ حید کے سر سے جاگ کا اور وہ چوک کر بولا
”فلٹ ہیٹ کیا ہوئی۔“

”اس پر زمین کی قوت کشش عائب آ گئی۔“

”خیر..... اس بات کی خوشی ہے کہ تم ایسے موقعوں پر بھی اچھے جملے بول سکتے ہو۔“

دونوں نے مل کر اسے اٹھایا۔ یہ انہیں میں سے تھا جن کے ہاتھ مہمید نے باندھے تھے اس کے ہاتھ ابھی تک بندھے ہوئے تھے۔ فریدی اسے کار سے پکڑ کر کھینچتا ہوا ہال میں جانے والے زینوں کی طرف چلا۔ مہمید ان کے پیچے تھا اس کے ایک ہاتھ میں نارچ تھی اور دوسرا سے ریوالور۔ ہال میں روشنی تھی اور د بالکل سنان پڑا ہوا تھا۔ فریدی نے قیدی کو ایک صوفے میں پھیک دیا اور صوفے کے پتھے پر پیر رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی ناک سے خون بہر رہا تھا اور پھر سے پر سر ایسیگی کے آثار تھے۔

”کیوں بیٹے! یہ سب کیا ہے؟“ فریدی نے اگریزی میں پوچھا۔
وہ پکھنہ بولا۔ فریدی نے اس کے منہ پر چھپر سید کر دیا۔

”میلو لو پچا.....!“ مہمید نے اس کی رخی ناک پکڑ کر زور سے دبادی اور دہ بیساختہ چیز پڑا۔ دھنٹا سامنے والا کمرہ کھلا اور مزر چودھری باہر آتی دکھائی دی۔ وہ حد درجہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔ وہ فریدی اور مہمید کی طرف بے تحاشہ دوڑی۔

”فریدی صاحب..... کیا ہوا.....؟ یہ سب کیا ہے؟ میں نے ابھی فائز کی آواز سنی تھی۔“
”کوئی بات نہیں ہم لوگ غالباً نہیں تھے۔ کیا آپ نے اسے کبھی دیکھا ہے؟“
تارا چودھری اسے غور سے دیکھتی رہی پھر فرنگی میں سر ہلا کر بولی۔ ”میں نہیں جانتی..... لیکن یہ..... کیا یہاں میری کوئی میں؟“

”میں ہاں..... یہاں کوئی حیرت انگیز بات ہونے والی ہے۔“
”کیا بہت سے تھے؟“

”میں ہاں.....!“

”اور وہ.....؟“

”چودھری صاحب کا بہوت.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”.....اتفاق سے نکل گیا۔ لیکن مطمئن رہنے والوں کا بہوت.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”.....اتفاق سے نکل گیا۔ لیکن

”چھ.....؟“
”کچھ بھی نہیں۔“ فریدی صوفے کے پاس سے ہٹا ہوا بولا۔

سلتا تھا کہ ابھی اسی کرے کی ایک آجھی اچھل کر دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی پر پڑ جائے گی اور وہ زمین پر چاروں خانے چلت ہو گا۔

اس کے گرتے ہی فریدی نے ایک ہاتھ سے نارچ نکالی اور دوسرا سے ریوالور سنجھا۔ ”آپ مائی لیڈس.....!“ وہ ہکلکھاتی ہوئی آواز میں بولا۔ نارچ کی روشنی میں چھ آدمی اپنے ہاتھ اور اٹھائے کھڑے تھے اور فریدی کے ریوالور کی نال ان کی طرف تھی۔

”مہمید! ان کی نائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پشت پر باندھ دو۔“ فریدی نے اردو میں کہا۔ ”یہ سب کی سفید نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔“

مہمید تین کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ دھنٹا کسی نے پیچے سے فریدی کے ریوالور والے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا اور اس کی گردن پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا۔ فریدی اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ منہ کے میں زمین پر جا رہا۔ ”بہوت.....!“ اس نے مہمید کی چیز سنی۔

فریدی نے گرتے ہی نارچ بچھا دی اور لیٹے ہی لیٹے اچھل کر ایک بڑی میز کے نیچے چلا گیا۔ وہ تین آدمی جن کے ہاتھ مہمید نہیں باندھ سکا تھا اس پر ٹوٹ پڑے۔ مہمید نے ریوالور نکال کر فائز کر دیا۔ اس نے چودھری کے بہوت کا نشانہ لیا تھا۔ جس کا چھڑہ اندر میرے میں شعلے کی طرح دکھ رہا تھا اور جس نے فریدی کو دھکا دیا تھا۔ فائز خالی گیا۔ مہمید نے ایک میز الٹ دی۔ کوئی دب کر چھا۔

بہوت غائب ہو چکا تھا۔ میز پھر سیدھی ہو گئی اور کوئی اس کے نیچے سے نکل کر دروازے کی طرف بھاگا۔

مہمید نے پھر فائز کیا لیکن یہ بھی خالی گیا۔ ”کیا کرتے ہو۔“ اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی کوئی دم سے گرا۔ راہداری میں بہت سے تدوین کی آہمیں کوئی خیر تھیں۔ پھر سکوت طاری ہو گیا۔

فریدی کی نارچ کی روشنی لمبارڑی میں پھیل گئی اور مہمید نے دیکھا کہ فریدی ایک آدمی پر سوار ہے۔

”کتوالی فون کر دو۔“

”آپ کی پیشانی رخی ہو گئی ہے۔“ تارابولی۔

”فلمرت سمجھے۔“

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

میں کسی یوروپین کی لاش ملنا مسموی بات نہ تھی۔ دوسرے ہی دن ملک کے اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہو گئے اور پروفیسر کے اچاک مائب ہو جانے والا واقعہ پھر سے کریدا گیا لیکن صحیح واقعات کا انطباق کسی نے نہیں کیا تھا اور کہتا بھی کیسے جب کہ..... فریدی ہی نے غلط روپورٹ دی تھی۔ اس کے روپورٹ کے مطابق وہ اور حمید چودھری کی کوشش کے قریب سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے کچھ آدمیوں کو مشتبہ حالات میں کوشش کے اندر داخل ہوتے دیکھا پھر وہاں انہیں ان سے ہاتھا پائی بھی کرنی پڑی۔

چودھری کی بیوی نے پہلے ہی اپنی کوشش میں ہونے والے واقعات کی روپورٹ درج کرادی تھی۔ بس ان دونوں روپورٹوں کو ملا کر اخبارات نے عجیب عجیب کہانیاں تراشی تھیں۔

فریدی رات ہی سے بہت مصروف تھا۔ اس نے بے شمار فائل کھول رکھے تھے۔ لاعداد تصاویر اس کے سامنے پڑی تھیں اور وہ انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔ ایش ٹرے راکھ سے بھر گیا تھا۔ تقریباً دو بجے رات کو ان کی واپسی ہوئی تھی۔ تب سے وہ جا گئیا ہی رہا تھا۔ حمید بھی اس کے قریب ہی موجود تھا لیکن آرام کر کی پڑ۔ دیسے اگر وہ تو کیلئے پھر وہاں پہنچی بیٹھا ہوتا تو اس کی نیز کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ پھر پچھلی رات کی ورزش اور دھول دھپے کے بعد کی حکمن..... وہ اہمیت سے خرائے لے رہا تھا۔

سورج طلوع ہو گیا تھا اور دھوپ پھیلتی جا رہی تھی۔ دھنعتا انور اور رشیدہ کمرے میں داخل ہوئے۔ انور کے سر پر پٹی بنڈھی ہوئی تھی اور چہرے پر کنی نیلے اور سرخ نشانات نظر آرہے تھے۔ انور فریدی کے سر پر بھی پٹی بنڈھی دیکھ کر مسکرا یا۔

”آپ بھی رخی ہو گئے؟“

فریدی نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

”آپ نے مجھے اطلاع نہ دی۔“ انور بیٹھتا ہوا بولا۔

”مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ خرائے فرمادے ہیں۔“ رشیدہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

حمدی ان کی آوازیں سن کر جاگ پڑا تھا لیکن اس نے آنکھیں کھولنے کی زحمت گوارانہ کی۔

”میں ذرینگ کا سامان لاتی ہوں۔ لیکن فریدی صاحب میں اب اس کوشش میں ترہ سکوں گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ ”آپ اسے پولیس کے حوالے کر کے کسی عزیز کے یہاں چل جائیے۔“

دھنعتا قیدی کی جیج سے ہال کی دیواریں جھینچنا اٹھیں۔

وہ دونوں اچھل پڑے۔

قیدی زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا..... اور..... اس کے پیٹ میں ایک تیر پیوست تھا۔

اس نے کرہناک انداز میں آخری جست لگائی..... اور گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

تارا جیخ کر فریدی کے بازوں میں آگری۔

حمدی جو دھرے کرے میں فون کر رہا تھا..... رسیور چینک کر ہال میں آ گیا۔

ہال میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

پھر سب سے پہلے فریدی چونکا۔

انہوں نے پوری کوشش چھان ماری لیکن ایک تنفس بھی نہ دکھائی دیا۔

بکر پچھ

ایسی رات کو پروفیسر چودھری کی کوشش میں پولیس نے ڈیرا ڈال دیا۔ پروفیسر چودھری کی بھوی کوشش کر اپنے ایک عزیز کے یہاں چل گئی۔ اس کوشش میں ایسے عجیب و غریب حالات

”خراۓ شر کر رہا ہوں۔“ وہ آنکھیں بند کئے ہی کئے بڑیا۔

”آخر بات کیا تھی؟“ انور نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے تخت اسارے واقعات دہرا دیئے۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”انہوں نے ہم پر کسی کے دھوکے میں محملہ کیا تھا۔“

”کسی اور کے دھوکے میں.....؟“ انور بولا۔

”ہاں..... کیونکہ انہوں نے شلائر کے نام سے مخاطب کیا تھا۔“

”شلائر.....؟“

”ہاں شلائر۔“ فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ ”کیا تم نے کبھی یہ نام سنائے؟“

”ممکن ہے سناؤ۔“

فریدی نے ایک تصویر انور کی طرف بڑھا دی جسے دیکھتے ہی وہ بے ساختہ چوک پڑا۔ رشیدہ بھی جھک کر تصویر دیکھنے لگی۔

”یناک.....!“ انور آہتہ سے بڑیا بڑیا اور فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”یہ مغربی جرمی کا ایک جاسوس ہے اور آج کل یہاں باضابطہ طور پر آیا ہوا ہے۔ اپنی حکومت کی طرف سے کوئی پیغام لے کر..... جس کی اطلاع ابھی تک ہمیں بھی نہیں ہو سکی۔ ہو سکا ہے کہ یہ گارسیں ہی کے تعلق چکھ ہو۔“

”لیکن پروفیسر درانی کے یہاں اس کا کیا کام.....!“ انور نے بے چتنی سے کہا۔

”پروفیسر درانی کے یہاں؟“ فریدی کے لمحے میں تحریر تھا۔

”می ہاں..... می نے اسے کل رات کو بارہ بجے پروفیسر کے سیکریٹری کے کمرے میں اس سے گفتگو کرتے دیکھا تھا۔“

”ادہ تو تم پھر دہاں گئے تھے؟“ رشیدہ انور کو گھوڑ کر بولی۔

”میں بتاؤ۔“ حمید یک بیک اگذاری لے کر اٹھ بیٹھا۔ ”پروفیسر کی بڑی بڑی حسین ہے۔“

رشیدہ انور کو تیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

انور فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”میں اسے تھوڑی سی سزادیے بغیر نہ ماںوں گا اور اسی چکر میں

کل رات کو دہاں گیا تھا۔“

”یقیناً.....!“ حمید دیدے پھر اکر بولا۔ ”اگر تم اس کی بڑی کو اکو بنانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ اس کے لئے سخت ترین سزا ہوگی۔“

”حمدی.....!“ فریدی اسے گھورنے لگا۔

”سرکار.....!“ حمید اسی لمحے میں جھکتا ہوا بولا۔

”اگر سنجیدگی سے نہیں بیٹھ سکتے تو چلے جاؤ۔“

”جو حکم.....!“ حمید مسکرا کر بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

”تمہیں یقین ہے کہ وہ بھی تھا جس کی تم تصویر دیکھ رہے ہو۔“ فریدی نے انور سے پوچھا۔

”مجھے یقین کامل ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی کری کی پیٹ سے مک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔

”گارسیں کی تصویر نہیں ہے آپ کے پاس.....؟“ انور نے پوچھا۔

”اس کا کوئی صحیح روکارڈ کہیں نہیں ہے۔“

”لیکن ان ملکوں کے پاس تو ہونا ہی چاہئے جن کے لئے وہ کام کرتا رہا ہے۔“

”وہ بھی اس بات پر تشقق ہیں کہ ان کے پاس اس کا صحیح روکارڈ نہیں ہے۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اس کی صحیح ملک سکن تو معلوم نہیں کسی کو۔“ فریدی نے کہا۔ ”بھی وجہ ہے کہ وہ آج بھی

آزادی سے اس زمین پر چل رہا ہے۔ ورنہ اس کی دشمن ساری دنیا ہے۔“

”ممکن ہے وہ چودھری کی کوئی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟“ رشیدہ بولی۔

”لیکن آخر چودھری کی کوئی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟“ رشیدہ بولی۔

”بھی سب سے بڑا سوال ہے۔“ فریدی نے کہا اور بھاہوا سگار سلکا نے لگا۔ پھر تھوڑی

”ای بعد بولا۔“ اور اب یہ بات بھی سامنے آگئی کہ شلائر بھی۔“

”کہیں وہ چودھری کا بھوت چودھری ہی نہ ہو۔“ رشیدہ نے کہا۔

”پہلے میں بھی بھی سمجھا تھا لیکن مجھلی رات یہ خیال ترک کر دیا پڑا۔“

”کیوں.....؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”ظاہر ہے کہ چودھری پر اسرار طریقے پر غائب ہو گیا تھا اس کی کوئی مقول وجہ ہوئی چاہئے۔ پھر اچانک چھ ماہ بعد بھوت کی شکل میں خودار ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ کوئی میں کچھ اور لوگ بھی دیکھی لینے لگتے ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو کسی خاص مصلحت کی بناء پر یہ بھوت بننا ہوگا۔ فرض کرلو کہ وہ اپنی کسی خاص چیز کی حفاظت کے لئے ایسا کر رہا ہے اور کچھ لوگ بھی اسی چیز کی تاک میں ہیں۔ چودھری انہیں اس بہروپ میں کوئی سے دور رکھنا چاہتا ہے۔“
چھپلی رات کو جب میں ان لوگوں سے نپٹ رہا تھا اسی نے مجھ پر پیچھے سے حملہ کیا تھا اگر وہ چودھری ہی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہاں ایک سے زیادہ پارٹیاں سرگرمی دکھاری ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو اسے اس سے واقف ہونا چاہئے ورنہ اس نے یہ بہروپ کیوں بھرا ہے۔ اسکی حرکتیں عموماً بے بس آدمی ہی کیا کرتے ہیں۔ لیکن کل کی بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بے بس نہیں ہے۔ جن لوگوں سے میں لڑ رہا تھا ان پر اس کی موجودگی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کی حقیقت سے واقف ہیں اور وہ ان کی حقیقت سے۔ اب سوچو! چودھری اگر اتنا انتظام رکھ سکتا تھا تو پھر اسے بھوت کی شکل میں ظاہر ہونے کی کیا ضرورت تھی اور اگر وہ یہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اسے بھوت نہ سمجھیں گے تو پھر اس بہروپ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”پھر وہ کون ہے؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”کوئی بھی ہو لیکن چودھری نہیں ہو سکتا۔“ فریدی نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔
تحوڑی دیر بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

”شیوکر رہوں۔“ حمید نے دوسرے کمرے سے کہا۔

”اس کے بعد ذرا بیہاں آ جانا۔“

”اس ٹرانسیٹر میں پھر کوئی آواز سنائی دی تھی؟“ افسونے پوچھا۔

”نہیں لیکن آفس کے ٹرانسیٹر میں وہ اشارے چھپلی رات کو بھی سنے گئے تھے۔“

”وہ کامیرے ذہن میں ہے۔“ افسونے پوچھا۔

”تفصیلی بیکار ہے۔“ حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”تمہیں بازار تک جانا ہے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”کیوں.....؟“

”ایک بڑی مچھلی اور ایک بکری کے پیچے کا سر لاؤ۔“

حمدی حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس قسم کی خرید و فروخت عموماً باور پی کیا کرتے تھے۔ فریدی کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”باور پی سے کہنے..... آپ نے مجھے اتنا گھٹا گھٹا کیا ہے۔“

”چھروہی! میں کہتا ہوں فضول باتیں مت کرو..... نوکروں کو اس کا علم نہ ہونا چاہئے۔“

”مجھے اکومت بنائیے.....!“

”جاو.....!“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا اور حمید پیر پٹھتا ہوا باہر چلا گیا۔

رشیدہ بہنے لگی۔

”اس کا اسکرپٹ ہر وقت ڈھیلا ہی رہتا ہے۔“ افسونے کہا۔

”خبطی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا ”مگر ہے شاندار آدمی۔“ کل تو اس نے اس بھوت کا صفا یا ہی کر دیا تھا۔ تھوڑا بہت کام چور ضرور ہے لیکن جب کوئی کام کرنے پر آ جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔“

”لیکن بعض اوقات بہت تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔“ افسونے کہا۔

”تم اس سے اچھی طرح واقف نہیں۔“ فریدی بولائے ”پروفیسر رانی کے یہاں توکر کتنے ہیں؟“

”نوکر.....؟“ شاید یہ نہ بتا سکوں کیونکہ مجھے وہاں اس کے سیکریٹری اور اس کی لاکی کے

علاوہ اور کوئی نہیں نظر آیا۔“

حمدی کپڑے پہنن کر پھر اُسی کمرے میں آ گیا۔

”تم ابھی گئے نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”سنے جتاب۔“ حمید ہاتھ پھیلا کر بولا۔ ”میں ابھی اتنا بڑا سراغ رسائیں ہوا کہ ناشستہ کرنا بھی بھول جاؤں۔“

”اوہ.....!“ فریدی نے انور اور رشیدہ سے کافی دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ چودھری کی گشتنگی کا بھی تذکرہ پھیڑا۔
”مجھے یقین ہے“، فریدی بولا۔ ”کہ چودھری خود سے غائب نہیں ہوا بلکہ اسے غائب کیا
گیا ہے۔“

”محمید صاحب کی حق تلفی کے خوف سے۔“ رشیدہ نے لہا۔

”جملہ کچھ بچانیں۔“ حمید نے برا اسمانہ بنایا۔ ”مگر خیر میں اخلاق انسوب کا ضرور۔“
پھر اس نے زبردست ایک زور دار قیصرہ لگایا اور سب ہٹنے لگے۔

حمد شاہید ناشتے کے لئے کہتا آیا تھا کیونکہ اس کے آنے کے بعد عین ناشتے کیڑالی آگئی۔
ناشتے کے دوران بھی حمید کی زبان نہ رکی۔

”یار جلدی کرو۔“ فریدی اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”اُن ملٹریوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“ حمید نے فریدی کی بات اڑا کر رشیدہ کو
خاطب کیا۔

”وہی جو سب کا ہے۔“

”سب میں تو میں بھی آگیا لیکن ان کے متعلق میرا کچھ خیال نہیں ہے۔“

”بہر حال دوسروں کے خیال سے تو متفق ہی ہو گے۔“

”دوسروں کی تو میری نظر وہ میں کوئی اہمیت نہیں۔“

”اے حمید صاحب۔“ فریدی نے اسے پھر نوکا۔

”جتاب والا.....! ہاں تو رشیدہ صاحبہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری نظر وہ میں ان خیالات
کی کوئی اہمیت نہیں۔ نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ کسی سیارے کے ہوائی جہاز میں اور نہ یہ کہتا ہوں
کہ وہ کسی جنگ باز ملک کا کوئی مہلک ہتھیار ہیں۔ اللہ تمہیں نور ایمان عطا کرے۔ میں یہ سمجھتا
ہوں کہ وہ رحمت خداوندی کے خواں ہیں جن میں بھتی ہوئی شیریں لورٹنگ کے کباب پائے جاتے ہیں۔“

”اچھا تو میں خود ہی جاتا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”بس ایک کپ کافی اور..... آخر تھی جلدی کیوں ہے؟“ وہ اپنی پیالی میں کافی اٹھ لتا ہوا بولا۔
ناشتے کے بعد حمید چلا گیا۔

خوفاک ہنگامہ

فریدی انور اور رشیدہ سے کافی دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ چودھری کی گشتنگی کا بھی تذکرہ پھیڑا۔
”مجھے یقین ہے“، فریدی بولا۔ ”کہ چودھری خود سے غائب نہیں ہوا بلکہ اسے غائب کیا
گیا ہے۔“

”اتفاقات کو آپ جس روشنی میں لے رہے ہیں اس سے تو بھی ظاہر ہوتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”لیکن ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟“ رشیدہ بولی۔

”شاید مطلب بھی واضح ہو جاتا۔ لیکن حمید نے فائز کر کے سب گڑ بڑ کر دیا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں اس سے کیا ہوا.....؟“

”جو بھی پارٹیاں اس کوشی میں دیکھی لے رہی ہیں وہ خود اس سلسلے میں احتیاط برقراری میں کر
ان کی موجودگی کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”وہ نہیں چاہتے کہ ان کی آپس کی جدوجہد کے سلسلے میں کوئی ایسی بات ہو جس کی خبر
پولیس سک جائیجے۔ کل بھی ان میں سے کسی نے ریو انور نہیں استعمال کیا۔“

”حمدیڈ کے ذہن میں ابھی کچاپن ہے۔“ اُنور بولا۔

اس نے میں حمید بھی واپس آگیا۔ شاید اس نے انور کا جملہ سن لیا تھا۔ منہ بنا کر کہتے تھا۔
”اور تمہارا ذہن پک کر سڑ گیا ہے۔ تم جیسے لوگوں کی یہ جمال کہ میرے ذہن پر تقدیم کریں۔“

”بات کہنے کا سلیقہ پیدا کرو۔“ انور اپنا اوپری ہونٹ بھیجن کر بولا۔

”اُنکیلے کوئی پچھنچ نہیں پیدا کر سکتا۔“ حمید کچھ اور کہنے جارہا تھا کہ فریدی بول پڑا۔
”لائے یا نہیں؟“

”لایا ہوں۔“ حمید نے تھیلا اس کے سامنے بخیج دیا۔

”اب بھی بد سلیقگی ملاحظہ فرمائیے۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”باور پی خانے کے بجائے
اسے یہاں اٹھالا ہے۔“

”یہ چیز تمہارے ابلے ہوئے ذہن کے لائق نہیں ہے۔“ حمید بولا۔ حالانکہ یہ حقیقت تھی
کہ خود اسے بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی نے وہ سب کیوں منگوایا ہے۔

”جید خیک کرتا ہے..... یہ سب باور پی خانے کے لئے نہیں۔“ فریدی نے کہا۔
اوڑھیلا اٹھا کر اس کے اندر دیکھنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد اسے اٹھائے ہوئے کمرے سے چلا گیا۔
”خدا خیر کرے۔“ جید اپنے چہرے پر سر ایسکی کے آثار پیدا کر کے بولا۔ ”
”کیوں.....؟“ رشیدہ اسے تحریر آمیز انداز میں دیکھنے لگی۔
”اب چپ چاپ یہاں پہنچ کر لینا چاہئے۔ شاید فریدی صاحب کا پرانا مرض پھر سے
اچھرا آیا ہے۔“

”کیا بلتے ہو.....؟“ اور بڑا بڑا۔
”نہیں یا ر.....؟“ جید غزردہ صورت بنا کر آہستہ سے بولا۔ ”تم ان کی زندگی کے حالات
اور ان کی ٹریجیڈیز سے واقف نہیں ہو۔“

”کیا.....؟“ رشیدہ نے پاشتیاق لیجھ میں پوچھا۔
”یہ میں نہیں بتا سکتا۔ لیکن یہ تو بھی جانتے ہیں کہ کسی بھی غیر معمولی شخصیت کا مالک انتہائی
چوتھ کھایا ہوا آدمی ہوتا ہے۔ آج دبکر کی اخبارہ تاریخ ہے میں۔“
جید خاموش ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”آخر بتاتے کیوں نہیں؟“ رشیدہ بے چینی سے بولی۔
”ہر ماہ کی اخبارہ تاریخ کو..... مگر نہیں..... کچھ نہیں میں مجبور ہوں۔“

”کس کی باتوں میں پڑی وہ۔“ اور منہ سکوڑ کر بولا۔
”انور تم نہیں جانتے۔“ شدت غم سے جید کی آواز طلق میں چھنسنے لگی۔
اور بھی حرمت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ جید اس سے پہلے بھی ایسے مودہ میں نظر
نہیں آیا تھا۔

”آخر بتانے میں کیا حرج ہے؟“ رشیدہ کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔
”ناممکن ہے۔ یہ اس صدی کے ایک بہت بڑے آدمی کی زندگی کا راز ہے۔“ جید آہستہ
بے بولا۔ لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ پچھلے ماہ انہوں نے ایک مرغ اور ایک سانپ کے ساتھ ہمایا
برتا دیکھا تھا۔“

”لعنی.....؟“
”ایک سانپ اور ایک مرغ کو لا کر بڑی دریک روٹے رہے تھے۔“
”غلط.....!“ رشیدہ بھی پڑی۔ ”بھلا مرغ کس طرح لا رہا ہو گا سانپ سے۔ مرغ تو
سانپ کو دیکھ کر ہی مر جاتے ہیں۔“
”بھی تو بات ہے..... انہوں نے مرغ کو شراب پلادی تھی۔“
”کیا بکتا ہے۔“ انور بے تھاش بھی پڑا۔ لیکن جید پرستور علیکم رہا۔ اس نے عجیب غزوہ
انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھا جو سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔
”اور پھر جب مرغ مر گپتا تو وہ اور زیادہ روئے۔“
”تم ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو۔“ رشیدہ بھی پڑی۔
”میں تمہیں لقین نہیں دلانا چاہتا۔“ جید پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ تھوڑی دری
کھ خاموشی رہی پھر رشیدہ بولی۔
”ہم کسی سے کہیں گے نہیں۔“
رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کے چہرے سے بھکپاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔
”کوئی..... عورت.....!“ جید ایک ایک کر بولا۔ پھر دفعتاً چوک کر کہنے لگا۔ ”نہیں
نہیں..... رشیدہ صاحبہ میں مجبور ہوں۔“
رشیدہ کے چہرے پر الجھن کے آثار پھر ابھر آئے تھے اور وہ انور کی طرف دیکھنے لگی تھی۔
”فضول وقت بر باد کر رہی ہو۔“ انور ہنوت سکوڑ کر بولا۔ جید نے چھٹ کی طرف دیکھ کر
اس طرح منہ بنایا جیسے ٹکنے سروں میں بیٹھی جائے گا۔ پھر انور کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
”انور صاحب! میرا ہی جگہ ہے کہ ایک نیم پاگل آدمی کے ساتھ دن رات ہتا ہوں۔“ تم فریدی
صاحب کی گھر بیوی زندگی سے واقف نہیں ہو۔..... اگر تم کسی آدمی کے کمرے میں.....!
جمید پھر خاموش ہو گیا اور رشیدہ بے تابی سے کری پر پھلو بدنے لگی۔
”میں ایک ہفتہ قل کی بات کر زہا ہوں..... ایک رات تقریباً دو بجے میری آنکھ کھل گئی۔“
”بردا خاموش ہو گیا۔“

حید کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو گالوں میں ڈھلک آئے۔
رشیدہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ کسی شریف آدمی کو غیر ارادی طور
پر گالی دے بیٹھنے کے بعد ندامت کا اظہار کر رہی ہو۔
”اچھا آؤ.....!“ حید رومال سے آنسو خشک کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں دکھاؤں۔
آنا ہمیں کوئی نیا گل کھلے گا۔ لیکن تمہیں اس طرح چلتا ہو گا کہ تمہارے قدموں سے آواز پیدا نہ ہو۔“
وہ انہیں اپری منزل پر لے آیا جہاں فریدی کی تجربہ گاہ تھی۔ حید انہیں خبر نے کا اشارہ
رکے بخوبی کے ملے ایک کھڑکی کے قریب آگیا۔ چند لمحے تجربہ گاہ میں جھانکتا رہا پھر پلٹ کر
میں قریب آنے کا اشارہ کیا۔
وہ دونوں دبے پاؤں کھڑکی کے پاس آگئے۔ فریدی ایک بڑی میز کے قریب کھڑا تھا۔
اس نے اپنے ہاتھ میں ایک ایسی چھلی لٹکار کی تھی جس کا سر بکری کا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب
تم کی مسکراہٹ تھی۔

”اب چپ چاپ ٹکل چلو۔“ حید آہستہ سے بولا اور وہ تینوں دبے پاؤں نیچے آگئے۔
”اب تم لوگ جاؤ۔ میری شامت آنے والی ہے۔“ حید نے کہا۔
”کیوں.....؟ یہ کیا تھا.....؟“
”بکر مجھ.....!“ حید سنجیدگی سے بولا۔ ”جب سوچتے ان کا دماغ تھک جاتا ہے تو
وہ ایسی قسم کی ایک چھلی بناتے ہیں۔ اسے بکر مجھ کہتے ہیں اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور
بھر میری گرد و بوچ کر انتہائی غصے میں کہتے ہیں کہ اس کی پوجا کرو۔“
”بکار ہے۔“ انور نے کہا۔
”یا تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔ کیا تم نے انہیں یہ کہتے نہیں سنا تھا۔ حید جانتا ہے کہ یہ
اور پیخانے کے لئے نہیں ہے۔“

اور متذبذب نظر آنے لگا۔
”اچھا.....! بس اب جاؤ۔ میں نہیں چاہتا۔“
انور اور رشیدہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے پھر جانے کے لئے مڑے اور حید بولا۔

اور انور بھٹا کر بولا۔ ”ارے تو بتاؤ تا.....!“
”ول نہیں چاہتا۔ مگر خیر فریدی صاحب کے سامنے اس کا تذکرہ نہ آنے پائے۔“ حیر
آہستہ سے بولا۔ ”میں نے ان کے کمرے میں اچھل کو دی آوازیں سنیں اور کھبرا کر اپنے کمرے
سے نکل آیا۔ ان کے کمرے میں خاصی ہر بیوگ بھی ہوئی تھی..... اوہ میرے خدا..... وہ ایک
بڑے بالوں والی کتیا کو شراب پلا رہے تھے۔“
”بکار ہے۔ مکتے شراب نہیں پیتے۔“ انور نے کہا۔
”لیکن وہ پلا رہے تھے..... فریدی جیسے ذین آدمی کے لئے دنیا کی کوئی بات ناممکن
نہیں۔ شراب کی جانور یا پرندے کے خون میں ملا کر دی جائی تھی۔ بہر حال اس کے بعد میں
نے جو کچھ دیکھا۔ ہرگز نہ بتاؤں گا۔“
”پلور شیدہ دیر ہو رہی ہے۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔
حید اپنے پاپ میں تباکو بھرنے لگا۔

” بتاؤ تا.....!“ رشیدہ انور کی بات نظر انداز کر کے بولی۔
”کیا فائدہ.....!“ حید کی آواز رقت ایگزی تھی۔ ”تم سن کر ہنسو گی۔ لیکن میں حق کہتا ہوں
کہ فریدی صاحب کو بھی کوئی دردناک حادثہ چیز آیا ہے۔“
انور نے رشیدہ کی طرف دیکھا اور پھر جھلکے کے ساتھ کری پر بیٹھ گیا۔ رشیدہ کے انداز
فی الحال اٹھنے کا ارادہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔
”وہ کتنا کو شراب پلا کر تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے پھر نینے پر ہاتھ رکھ
آہستہ سے کہا۔ قرالتساء ڈارلنگ..... پھر وہ شاید اس کی تھومنی سے اپنے ہونٹ ملانے جاری
تھے کہ بف کر کے وہ جیچے ہٹ گئی۔ وہ پھر بولے۔ قرالتساء ڈارلنگ میں مر جاؤں گا۔ کتیا باقاعدہ
بھوکنے لگی تھی۔ بہر حال وہ اس کا منہ چومنے میں ناکام رہے۔“

”رشیدہ.....!“ انور کے لجھ میں جلاہٹ تھی اور رشیدہ برادر نے جائزی تھی لیکن حید کا
چھرہ بالکل ایسا ہی نظر آرہا تھا جیسے وہ کسی لاش کے سر ہانے بیٹھا ہو۔
”میں کہتا تھا کہ تم ہنسو گی۔ فریدی صاحب پر اسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔“

باتوں پر یقین آ سکتا ہے۔“
طلسم ہو شربا پڑھی ہے تم نے؟” انور نے پوچھا۔
”ہاں..... کیوں؟“
”اس کا ایک کردار عمر و عمار ہے۔“
”ہاں.....!“
”یہ کم بخت اس سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ عموماً خود کو بالکل احمد ظاہر کرنے کی کوشش
کرتا ہے لیکن اس کے زیر میلے پن سے میں ہی واقع ہوں۔ جاتق ہو اس نے ہم لوگوں کو کیوں
تال دیا تھا۔“
رشیدہ نے فتحی میں سر ہلا دیا۔
”اس نے یہ سب کچھ ہمیں ٹالنے ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر ہم لوگ وہاں ٹھہر تے تو اے
ہماری گفتگو میں حصہ لینے پر مجبور ہونا پڑتا۔ معلوم نہیں ہمارے اس طرح چل آنے پر اس نے
فریدی صاحب سے کیا کہا ہو گا؟“
”لیکن اس تصویری کی اشاعت سے فریدی صاحب کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“ رشیدہ نے پوچھا۔
”معلوم نہیں..... ان کے طریقے ذرا مشکل ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔“
رشیدہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ میں فون کی گھنٹی بیجی۔ انور نے رشیدہ کو اشارہ کیا۔
”ہیلو.....!“ رشیدہ نے رسیور اٹھایا۔ ”اوہ..... جی ہاں..... اچھا۔“ وہ پھر انور کی طرف
مزکر بولی۔ ”تمہارا فون ہے۔ فریدی صاحب ہیں۔“ انور نے رسیور رشیدہ کے ہاتھ سے لے
لیا۔ ”ہیلو..... جی..... بھی..... اچھا..... بھی آیا.....!“ انور نے رسیور رکھ دیا۔
”کہاں.....؟“ رشیدہ نے پوچھا۔
”پو فیسر چودھری کی کوئی پر۔ اگر کوئی کام پینڈنگ میں نہ ہو تو چلو۔“
وہ دونوں نیچے آئے۔ انور نے موڑ سائیکل فٹ پاٹھ سے سڑک پر ابتدی اور دونوں
پاؤ فیسر کی کوئی کی طرف روانہ ہو گئے۔
چالک پر پولیس کا پیروہ تھا۔ لیکن شاید انہیں پہلے ہی سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ اس نے

”اب مجھے اپنی خیر منانی چاہئے۔“
جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ چالک کے باہر پہنچ گئے ہوں گے تو اس نے ایک زور
دار قہرہ لگایا اور خود ہی اپنی پیٹھے ٹھوٹکنے لگا۔ پھر فتحا اسے فریدی دکھائی دیا۔ وہ زینوں سے نیچے
اتر رہا تھا..... اسے احقوں کی طرح ہستاد کیکہ کر رک گیا۔
”سب ٹھیک ہو گیا۔“ حمید نے فقاری لگائی۔ ”رشیدہ میرے ساتھ شادی کرنے پر
رضامند ہو گئی ہے۔ اس بات پر اس میں اور انور میں بھگڑا ہو گیا اور وہ دونوں چلے گئے۔“

چوکور کنوال

دوسرے دن انور اپنے آفس میں ندو اشار کے ہم عمر اخبارات کے تازہ شمارے دیکھ رہا
تھا۔ دفعتاً وہ چوک پڑا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک مقامی اور کثیر الاشاعت اخبار تھا۔
”رسو.....!“ اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا جو ٹاپ رائٹر پر سے ڈھکن اٹھا رہی تھی۔ ”دیکھا
میں نہ کہتا تھا تم اس سور کو نہیں جانتیں۔“

”کے.....؟ کیا بات ہے۔“

انور نے اخبار اس کی طرف پھیک دیا۔ رشیدہ نے پہلے ہی صفحہ پر ایک بے حد عجیب د
غیریب آبی جانور کی تصویر دیکھی جس کا سر بکری کا تھا اور درہ ملکی کا۔ اسی کے نیچے ایک خر تھی جس
میں کہا گیا تھا کہ اخبارہ ذہن بر کو اسکر احمد کمال فریدی نے ایک ہای گیر سے ایک ایسی مچھلی خریدی
ہے جس کا سر بکری کا ہے اور اس کے بعد فریدی کی افاداطبع کے متعلق ایک داستان تھی جس کے
مطابق وہ عجائبات کا شو قین اور ایک عمدہ قدم کے چھوٹے مولے عجائب خانہ کا مالک تھا۔
”کمال کا آدمی ہے۔“ رشیدہ اخبار رکھ کر بولی۔ ”وہ رو بھی تو رہا تھا..... کسی کو بھی اس کی

انہوں نے، انور کی موڑ نا سیکل نہیں روکی۔ پورنیکوں میں دونوں اتر گئے۔ محققہ شرائغ رسانی کا ایک آدمی ان کی رہنمائی کے لئے برآمدے میں موجود تھا۔

فریدی اور حمید ایک کمرے میں خاموشی سے کھڑے کی مسلکے پر غور کر رہے تھے۔ انور اور رشیدہ کو دیکھ کر حمید نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ جھینپ کر دوسرا طرف دیکھنے لگی۔

”مز چودھری نہیں آئیں؟“ فریدی نے اس آدمی سے پوچھا جو انور اور رشیدہ کو بیہاں تک لايا تھا۔

”بھی نہیں۔“ فریدی نے اس آدمی سے پوچھا جو انور اور رشیدہ کو بیہاں تک لايا تھا۔

”اچھا تو جاؤ.....!“ فریدی نے کہا۔ ”وہ بھی آہی رہی ہوں گی۔“

اس کے جانے کے بعد حمید نے مسکرا کر انور کی طرف دیکھا۔

”امید ہے کہ تم نے بکر مچھلی تصور آج کے مورنگ نیوز میں ضیر درد کھسی ہوگی۔“ اس نے کہا۔

”بھائی حمید! واقعی تم بڑے خطرناک آدمی ہو۔“ رشیدہ نہیں کر بولی۔

”انور کے سامنے ایسا نہ کہو۔“ حمید خشک لہجے میں بولا۔ ”ورثہ خود کشی کرنے گا۔“

فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ ان کی گھنگوں میں کوئی دلچسپی نہ لے رہا ہو۔

”وہ کمرے کے بیرونی دروازے میں کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”یہ پو فیسر چودھری کے سونے کا کمرہ ہے۔“ دفعتاً اس نے مڑا کر انور سے کہا۔ ”وہ بھیں سے عابر ہوا تھا اور وہ دروازہ جو ہاں میں کھلتا ہے اندر سے بند پایا گیا تھا اور یہ دروازہ ہے۔“

اس نے بیرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ انور دروازے کے قریب جا کر باہر دیکھنے لگا۔ یہ دروازہ پا میں باغ کی طرف کھلتا تھا لیکن اس طرف کے حصے میں بدلتی ہی تھی۔ بیہاں پھولوں کی کیاریاں نہیں تھیں۔ اس طرف کی مہندی کی باڑھ کی بھی شاید عرصے سے بخربنیں لی گئی تھی۔ یہ حصہ دراصل ساٹا کا تھا۔

”قیاس ہے کہ وہ اسی دروازے سے نکلنے کر گیا تھا۔“ فریدی پھر بولا۔

”میں کہتا ہوں کہ اب اس کے پیچھے پڑنا ہی فضول ہے۔“ حمید نے اکتا کر کہا۔

”چھ ماہ قبل کی بات ہے۔ لکیر پینے سے تھے قائد۔“

”لکیر.....!“ انور طنزیہ انداز میں ہما۔

”اچھا میاں ترم خاں۔“ حمید اپنا ہفت بھجھ کر بولا۔ ”تمہیں بھی دلکھلیں گے۔“

”فضول باتوں سے کیا داصل۔“ فریدی نے شکار سکا کر کہا۔

ہال میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازے میں مزرا پھودھری نظر آئی۔ اور اور رشیدہ کو

دیکھ کر وہ کچھ مکھی لیکن پھر دلا اور زانڈا میں مسکرا کی ہوئی بولی۔

”تجھے شاید کچھ تیر ہو گئی۔ آج اپنے

بھر میں کتنی اجنبیت محسوس کر رہی ہوں۔“

”میں نے ایک خاص مقصد کے تحت آپ کو تکلیف دی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”تکلیف تو دراصل میں نے ہی دی ہے۔“ مزرا پھودھری مسکرا کر بولی۔

”مکھوڑی دیر تکے لئے میں پھر وہی غم ناک موضوع چھیڑتا چاہتا ہوں۔“

فریدی نے کہا۔ ”کیا آپ مجھے چودھری صاحب کی مشکولیات کے متعلق کچھ بتائیں گی۔“

”میں پہلے ہی عرض کر چکی ہوں کہ مجھے ان کی مشکولیات سے کوئی بیجی نہیں تھی۔“

”میرا مطلب ہے کہ جس زمانے میں وہ غائب ہوئے کیا کوئی اسکی بات آپ

میں فوٹ کی تھی جو آپ کے لئے باغِ ثمرت ہوتا۔“

”مزرا پھودھری کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

”تجھے یاد نہیں پڑتا۔“

”آپ نے مجھے اس کا نہ کرہ نہیں کیا تھا کہ ان کی چلپیں بھی موجود تھیں۔“

حمد فریدی کے اس جملہ پر خاص طور سے مزرا پھودھری کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اس نے چھرے پر ابھکال کے علاوہ کچھ اور نہیں پایا۔

”بات یہ ہے۔ وہ معموم آواز میں بولی۔“ کہ میں اس خیال سے خوف کھاتی ہوں کہ وہ اس دیاں نہیں ہیں۔“

فریدی اس کے چھرے کو بغور دیکھنے لگا۔ مزرا پھودھری کی نظریں بھی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس نے اپنی لمبی لمبی اٹھائیں اور فریدی کو اپنی طرف متوجہ کیا کہ پھر نظریں جھکائیں۔

فریدی خاموشی سے نتارہا۔ مسز چودھری کی بات ختم ہوتے ہی بولا۔

”چودھری صاحب کے غائب ہو جانے کے بعد پاتا گیا تھا۔“

”جی ہاں..... پرانی کام انہوں نے ہی شروع کرایا تھا..... لیکن کام ختم ہونے سے پہلے ہی غائب ہو گئے تھے۔“

”اوہ.....!“ فریدی معنی خیز انداز میں انور کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”انداز آ کتنا کام باقی رہا ہوگا۔“

”یہ تو مجھے یاد نہیں رہا۔“ مسز چودھری کے لمحے میں اکتاہٹ تھی۔

”خیر.....!“ فریدی نے موضوع بدلا۔ ”حکومت نے چودھری صاحب کی طلاق کا کام باقاعدہ طور پر جملہ سراغِ رسانی کے پرداز دیا ہے۔ حکومت کو صحیح معنوں میں ان کے متعلق تشویش ہے۔“

”تو میں یہاں کب تک واپس آ سکوں گی؟“

”ابھی اس کے بارے میں پکھنہ نہیں کہہ سکتا۔“

مسز چودھری کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ”آ خودہ لوگ کون ہیں جو کوئی میں گھس آئے تھے اور وہ کون تھا جس کے تیر لگا تھا.....؟“

”کچھ بھی نہیں معلوم ہوسکا۔“ فریدی نے سگار سلاکتے ہوئے کہا۔ ”میں ایک بار پھر آپ سے اس وقت کی تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“

مسز چودھری کچھ گئی کہ فریدی اب اسے مانا چاہتا ہے۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔ ”اجازت ہے؟“

”شوق سے! تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔“

مسز چودھری چل گئی۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر نہ اسامنہ بیلایا۔

”انہی خوبصورت عورت سے تو ڈھنگ سے بات کیا کجھے۔“ اس نے کہا۔

”اجازت ہے۔“ فریدی اس کی طرف مذکور بولا۔ ”باقی ڈھنگ کی باتیں آپ کر لیجھے۔“

”کیا وہ تصویر پروفسر درانی کے لئے ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”ہوں.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس عورت کو اپنے شوہر کی کسی بات سے دیکھی

”میں جانتی ہوں کہ اس کا کیا مطلب ہے مگر پھر بھی میں یہ نہیں سوچنا چاہتی۔“

”یعنی آپ کو اس حداثے کی توقع تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”قطعی نہیں..... اس قسم کے حالات ہی نہیں تھے۔“

”پھر آپ نے یہ کس طرح اندازہ لگایا کہ وہ اس دنیا میں نہیں۔“

اس نے اچانک نظریں المحسیں اور فریدی کو بغوردیکھنے لگی۔

”کیوں..... کیا آپ نے ابھی چپلوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”ظاہر ہے کہ

اگر وہ اپنے پیروں سے جل کر کہنے لگے ہوتے تو ان کے پیروں میں کم از کم چپلوں ضرور ہوتیں۔“

”اس وقت کی تکلیف دہی گراں تو نہیں گزری۔“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”اوہ قطعی نہیں۔“

”نی الحال آپ کو تکلیف تو ضرور ہی ہوگی آپ کو اپنی کشی چھوڑ دینی پڑی ہے۔“

”ظاہر ہے کہ دوسرے کے گھر میں آرام نہیں مل سکتا۔“

فریدی خاموش ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ حمید انور اور رشیدہ کے چہروں پر اکتاہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔

”کیا وہ بھی حوض تھا.....؟“ فریدی نے باہر دیکھتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔

حمد وغیرہ کی نظریں ایک حوض پر جم گئیں جس کے پختہ کنارے زمین کی سطح پر ابھرے ہوئے تھے۔

”بھی نہیں کنوں تھا۔“ مسز چودھری نے کہا۔ ”عرضہ ہو پاٹ دیا گیا ہے۔“

”چوکور کنوں؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”جی ہاں.....!“ مسز چودھری بولی۔ ”یہ بھی چودھری صاحب کی افاداطبع کا نتیجہ تھا۔ ایک دن یونہی بیٹھے بیٹھے کہنے لگے کہ اگر چوکور کنوں بخواہ جائے تو کیسی رہے۔ اس وقت یہ بات ہنسی میں مل گئی لیکن دوسرے ہی دن انہوں نے کام شروع کر دیا۔ بہر حال مذاق ہی مذاق میں سیکنڑوں روپے بر باد ہو گئے۔ شروع میں تو اس میں پانی نکلا لیکن کچھ دنوں بعد وہ بالکل خشک ہو گیا اور پھر اسے پاٹ دیا گیا۔“

ہی نہیں تھی۔“

”آپ کو یقیناً حیرت ہوگی۔“ حمید نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”کیونکہ آپ کو یہوی کا تجربہ نہیں۔ قبلہ فریدی صاحب میاں اور یہوی ایک ہی سانچے میں نہیں ڈھالے جاتے۔ اس نے اللہ پاک کے حضور میں میرا مشورہ ہے کہ یا تو میاں یہوی کو ایک ہی سانچے میں ڈھالا کرے یا پھر عورت اور مرد کے تعلقات پر سے بالکل کنٹرول ہٹالے۔“

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر باہر چلا گیا۔

”ہر وقت ٹائیں ٹائیں۔“ انور نے سگریٹ سلاگاتے ہوئے کہا۔

”اور تم دونوں ٹائیں ٹائیں فش۔۔۔!“ حمید نے رشیدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اپنا پاپ بھرنے لگا۔

”یہ کیا بیہودگی ہے۔“ انور اسے گھوڑنے لگا۔

”اپنا الجھیک کرو۔ ورنہ ٹوٹ بادوں گا۔“

انور سگریٹ بھینک کر حمید کی طرف بڑھا اور حمید نے اپنا پاپ میز پر رکھ دیا۔ رشیدہ جھپٹ کر دونوں کے درمیان آگئی۔

”تم خواہ خواہ بیچ میں آ کوئی ہو۔“ حمید نے رشیدہ سے کہا۔ انور نے رشیدہ کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اور پھر اس کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ انور جھلا کر پلٹا۔

”اتی ہی سزا کافی ہے۔“ حمید میز پر سے اپنا پاپ اٹھاتا ہوا پسکون بیجھ میں بولا۔ اس نے بڑی پھرتی سے وار خالی دیا تھا۔

رشیدہ انور کو دروازے کے باہر دھکیل لے گئی۔

”کیا بات ہے؟“ فریدی نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ وہ اس بند اور چوکور کنوئیں کے قریب کھڑا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”میرے خیال سے انور اور حمید کو ایک جگہ اکٹھانے کیا تھے۔“

”یار میں عائز ہوں اس گدھے سے۔“ فریدی آہستہ سے بڑ بڑا یا۔ پھر حمید کو آواز دی۔ حمید لاپرواںی سے پاس پیٹا ہوا بار آیا۔

”کیوں۔۔۔ کیا داغ دی شکایت۔“ اس نے ہنس کر کہا۔ ”اب آپ ہی بتائیے اگر میں

اے دیوار پر گھونسہ مارنے سے روکتا تو یہ الٹا مجھے بد اخلاق سمجھتا۔ عجیب اتنی کھوپڑی ہے۔ اگر۔۔۔ آپ وہ چھلی اس کے سر سے چپکاتے تو خاصاً مناسبہ رہتا۔“

فریدی نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پائیں باغ کے مالی کو آواز دی اور اسے ایک چھاؤڑا لانے کو کہا۔

چھاؤڑا آنے پر فریدی نے کنوئیں کی طرف اشارہ کر کے حمید سے کہا۔

”چلو کھو دو۔۔۔!“

”کہیں میں بھنگ تو نہیں پی گیا۔“ حمید فریدی کے چہرے کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

”جلدی کرو۔“

”تاو کے دکھاتے ہیں۔ میں کمزور نہیں ہوں۔“ حمید نے کہا اور چھاؤڑا اٹھا کر پل پڑا۔

”اس کے بیہاں سات پشت سے بھی پیشہ ہوتا آیا ہے۔“ انور نے تھوہٹہ لگایا۔

”بیٹھے دھائیں دو رشیدہ کو۔۔۔ ورنہ آج کسی گھر کے پرکتوں سے لڑتے ہوئے نظر آتے۔“ حمید بولا۔

حمد تھوڑی دیریک کھوڈتا رہا پھر چھاؤڑا کر فریدی کی طرف ترا۔

”مجھے کھوڈنے سے انکار نہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مجھے ذلیل کرنے پر تھے ہوئے ہیں لیکن اتنا تباہ تھے کہ یہ صرف میری بڑا ہے یا آپ اس میں سے لگوروں کا جوڑا برآمد ہونے کی توقع رکھتے ہیں۔“

”اڑھر ہٹ آؤ۔“ فریدی نے کہا۔ حمید جلدی سے چھاؤڑا چھوڑ کر ہٹ آیا۔

”کیا۔۔۔ دھماکا ہو گا۔۔۔؟“ اس نے اس انداز سے کہا کہ انور اور رشیدہ دونوں ہنس پڑتے۔۔۔ یار بیکار بھیجا مٹت چاٹ۔“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ پھر اس نے رسول پلیس کے لئے آئی کو بلا کر چند مزدوروں کے لئے کہا۔

”ایک قیاس کی بناء پر میں ایسا کر رہا ہوں۔“ اس نے انور سے کہا۔ ”یہ تو کلیہ ہے کہ چودھری خود سے کہیں نہیں گیا اب اس کے جانے کی بھی دوہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اسے

یہیں کرے ہی میں گلا گھوٹ کر مارڈالا گیا زندہ لے جایا گیا۔ مارڈالنے کی صورت میں وہ اس کی لاش کو کہیں اور نہ لے گئے ہوں گے جب کہ یہ آدھا یادہ تہائی بھرا ہوا کنوں قریب ہی موجود تھا۔

اور اگر فرض کجھے کرو اسے زندہ ہی لے گئے ہوں تو۔ ”حید بولا۔“

”میں اس کے امکان سے انکار تو نہیں کرتا مجھے اس پر بھی یقین کامل نہیں ہے کہ مارڈالنے کی صورت میں ہی انہوں نے اسے اسی کنوں میں دن کیا ہو۔ ممکن ہے وہ اسی کو سرے سے نظر انداز ہی کر گئے ہوں۔“

”تو پھر اسے کھونے سے کیا فائدہ؟“

”تو جتاب حید صاحب آپ جادو گروہ ہیں نہیں کہ ڈرائیک روم میں بیٹھ کر جو ذہری کا پڑھ کالیں گے۔ یا تو مجھے نادول کا شر لاک، ہمز کیوں سمجھتا ہے۔“

”خیر چلے یہ بھی نہیں۔“ حید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اگر انہوں نے اس کی لاش پہاں دفن کی بھی ہوگی تو تچھ ماہ بعد آپ کیا کالیں گے؟ وہ کیڑے؟ جو خود بھی خاک ہو چکے ہوں گے؟“

”پھر بھی.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مجھے اس چوکر کنوں میں کو دیکھنے کا شوق ہے۔“

”یوں دیکھنے کو آپ تھت اٹھ ری بھی دیکھ سکتے ہیں۔ میں آپ کی آنکھیں نہ بند کروں گا۔“

”اچھا براہ کرم گھر تشریف لے جائیے۔“ فریدی اسے گھوکر بولا۔

”شکریہ۔“ حید جانے کے لئے بڑا۔ اور وغیرہ کے آئے سے پہلے بھی فریدی اپنے گھر واپس جانے کی تاکید کر چکا تھا۔ اس کو دراصل پروفیسر درانی کے فون کی توقع تھی اس لئے وہ چاہتا تھا کہ حید گھر ہی پر موجود ہے۔ اس مچھلی کی تصویر دیکھ کر پروفیسر درانی کا جو کنکنا لازمی تھا۔ مابر علم الاجرام ہونے کی حیثیت سے ”

ہمیشہ ایسی چیزوں کی طرف سب ہے پہلے دوڑتا تھا۔ ایک بار شر میں ایک گائے نے ایسا پچ جا

قاچس کے تین سرتھے کی لوگ اس کے خواہ تھے لیکن درانی نے سب سے زیادہ رقم پیش کر کے اسے خرید لیا تھا۔ اسی قسم کے کئی اور بھی واقعات تھے۔ جن کی بناء پر یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ

وہ اس مچھلی کے لئے ضرور کوش کرے گا۔“

فریدی کا خیال سو فصدی صحیح تھا۔ گھر پہنچتے ہی ایک نوکرنے ملایا۔

”کوئی صاحب صح سے کئی بازوفون کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنا فون نمبر بھی لکھ دیا ہے کہ جیسے ہی فریدی صاحب واپس آئیں انہیں بتائے ہوئے ہمیزوں پر فون کرنے کی تاکید کی جائے۔“

حید نے نمبر دیکھ کر بھر ٹھیک فون ڈائریکٹری اٹھائی۔ وہ نمبر پروفیسر ہی کے ثابت ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد حید پروفیسر درانی کو فون کر رہا تھا۔

”کون.....؟“ دوسرا طرف سے صحیح قسم کی آواز آئی۔

”اپنے فریدی۔“ حید بولا۔

”اوہ..... اچھا.....!“ غراہبٹ سنائی دی۔ اس وقت تم پروفیسر درانی بیا لو جوست سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہے ہوئے۔

حید نے باقاعدہ کان کھڑے کئے اور ناک رگڑ کر بولا۔ ”اشرف! کون اشرف؟“

”اشرف نہیں نہش.....!“ غراہبٹ کچھ تھر ہو گئی۔

”لیکن..... میں شرف نہیں ہوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے..... مجھے احمد کمال فریدی کہتے ہیں! اکثر انگریز فراؤ بھی کہتے ہیں۔“

”دھرم میں گئے انگریز.....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”کیا تم بالکل جاہل ہو؟“

”بھی نہیں..... کامل بھی یہاں نہیں رہتے۔“

”کامل نہیں..... جاہل..... جاہل!“ بڑی زور دار جیخ سنائی دی اور حید کا کان چھینا اٹھا۔

”کامل تو میں بہت ہوں..... پر آپ کام بتائیے۔“

”دھرم میں جاؤ.....!“ یہ بھی جیخ ہی تھی۔

حید اپنی بھی روکے کی کوشش کرتے ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔ اسے ”آپ کام بتائیں۔“

”میں وہ مچھلی خریدنا چاہتا ہوں۔“

”کون کی مچھلی.....؟“

”ونقی جس کی تصویر یورنگک نیوز میں شائع ہوئی ہے۔“

”تو بکر مچھ کہئے تا.....!“

حمد نے ایک بے ہنگم تھیہ کی آواز سنی اور پروفیسر پھر بولنے لگا۔

”تم آدمی ہو یا سخرے۔۔۔۔۔ تم نے اس کا نام بھی رکھ دیا۔۔۔۔۔“

”اس کے علاوہ اور کیا نام ہو سکتا ہے؟“ حمید بے بھی سے بولا۔

”میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ کیا قیمت ملتگتے ہو؟“ دوسری طرف بے آواز آئی۔

”میں نہیں بچتا چاہتا۔۔۔۔۔ اس لئے کچھ قیمت نہیں مانگتا۔۔۔۔۔“

”تم لوگوں کو عقل کب آئے گی۔۔۔۔۔ پروفیسر غایا۔۔۔۔۔“ تم اسے اپنے کمرے میں رکھ کر صرف

غلیل بجاوے گے اور میں دنیا کے سامنے ایک بیٹا تجربہ پیش کروں گا۔۔۔۔۔“

”میں نہیں چاہتا کہ آپ ساری دنیا کو غلیل بجانے پر مجبور کریں۔۔۔۔۔“ حمید نے کہا۔

”شٹ اپ۔۔۔۔۔!“

”یو شٹ اپ۔۔۔۔۔“ حمید نے ریسیور رکھ دیا اور سونئے لگا کہ واقعی وہ خوفناک آدمی ہو گا۔۔۔۔۔ اس کی آواز ہی کم ڈراونی نہیں تھی۔۔۔۔۔

چکھ دیر بعد اسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔۔۔ فریدی اور اس کے ملاقاتیوں کا نادان بندھ گیا تھا۔۔۔۔۔ وہ سب اس حریت انگیز مچھلی کو دیکھنا چاہتے تھے۔۔۔۔۔ حمید بوکھلا گیا۔۔۔۔۔ اب انہیں کیا جواب دے۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے اسے قریب سے دیکھ لیا تو پول کھل جائے گا۔۔۔۔۔ ان سے اس نے کہہ دیا کہ وہ ایک لیبارٹری میں بیجوادی گئی ہے جہاں اسے اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ زیادہ عرصہ تک خراب نہ ہو سکے۔۔۔۔۔

انہیں تو خیر کسی نہ کسی طرح سے نال دیا۔۔۔۔۔ لیکن دوسری مصیبت ذرا امبر آزماتھی۔۔۔۔۔ اس کے محلے کے آفسروں کے فون بھی آنے لگے وہ بھی اسے دیکھنا چاہتے تھے۔۔۔۔۔ خصوصاً یہ آئی۔۔۔۔۔ میں نو می طرح بے تاب تھا۔۔۔۔۔ حمید نے انہیں بھی وہی جواب دیا جس پر اسے تاکید کی گئی کہ لیبارٹری سے آتے ہی وہ ان تک پہنچائی جائے۔۔۔۔۔ ان کی بیویاں ان سے زیادہ بے چین تھیں، لہذا حمید کو ایک بار پھر سوچنا پڑا کہ عورت زندگی کے ہر شے میں تکلیف دہ حد تک وباں جان ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ اگر خود اس کی کوئی بیوی ہوتی اور وہ اس قسم کی کوئی یغوغہ بھش ظاہر کرتی تو وہ اس کی ناک اکھاڑا (کان اکھاڑنے کی دھمکی تو سمجھی دیتے ہیں)۔۔۔۔۔

بھتنا کراس نے پھر رسیور اٹھایا اور پروفیسر چودھری کے فون کے نمبر ملانے لگا۔

”بیلو۔۔۔۔۔ پانچ سات تین آٹھ۔۔۔۔۔ اسکپڑ فریدی صاحب کو فون پر بلاسیئے۔۔۔۔۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔۔۔۔۔ بیلو۔۔۔۔۔ میں الوکا پچھا بول رہا ہوں۔۔۔۔۔ وہ سالی بکر مجھ وباں جان ہو گئی ہے۔۔۔۔۔“ پھر اس نے پوری روادوہ را دی۔

”صبر کرو بیٹے۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔۔۔۔۔ کنوئیں سے انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے۔۔۔۔۔“

”کیا۔۔۔۔۔؟“ حمید بوکھلا کر سر کھجانے لگا۔

”انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ۔۔۔۔۔“

”لگور کا ڈھانچہ ہو گا۔۔۔۔۔ پھر سے غور کیجئے۔۔۔۔۔“

”لگور انگوٹھی نہیں پہنا کرتے۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔۔۔۔۔“

حمد نے ایک جھٹکے کے ساتھ رسیور کہ دیا اور بڑیڑا نے لگا۔

”یہ معاملہ بھی ختم نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ ہات تیری تقدیر۔۔۔۔۔“
دفعتا بہر کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی۔

”پھر کوئی آیا۔۔۔۔۔ ہات تیری کبر مجھ کی۔۔۔۔۔“

اس نے جلا کر جست لگائی اور صوفے پر چڑھ گیا۔۔۔۔۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں سے کس طرح چیچا چھڑائے، جو اس مچھلی کے درشن کے لئے جوق در جوق ٹپے آ رہے تھے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ فوکر نے ایک کارڈ لا کر دیا۔۔۔۔۔ یہ پروفیسر درانی کے پرائیویٹ سیکریٹری کا ملاقاتی کارڈ تھا۔۔۔۔۔ حمید جھلاہٹ میں دوڑتا ہوا ذرا انگر روم میں آیا۔۔۔۔۔ پہلے سیکریٹری کو خونخوار نظروں سے گھوڑتا رہا پھر چڑھ کر بولا۔۔۔۔۔ ”گٹ آوٹ“

”جتاب۔۔۔۔۔ جتاب۔۔۔۔۔“ سیکریٹری اٹھتا ہوا بولا۔۔۔۔۔

”بالکل نکل جاؤ۔۔۔۔۔ دور ہو جاؤ۔۔۔۔۔“ حمید طبق کے مل چینا۔۔۔۔۔ اگر اس سالے کا دماغ خراب ہے، تو میں بھی کوئی شریف آدمی نہیں۔۔۔۔۔ وہ کون ہوتا ہے میری مچھلی خریدنے والا۔۔۔۔۔ سالا میری توہین کرتا ہے۔۔۔۔۔“

حید نے اسے دھکے دے کر ڈرائیک روم سے نکال دیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ بڑا نہ لگا۔ ”چلو یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی طے ہوا..... اب کیا کتنا چاہئے..... مگر یہ سالے“
گھنٹی پھر بجنی شروع ہو گئی تھی۔

حسین عجیارہ

حید دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ رات کے فونچ پکھے تھے، لیکن فریڈی بھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ٹریوں کا ڈھانچہ برآمد ہونے کے بعد ایک بار اس نے اس سے فون پر گفتگو کی تھی اور اس بات کی تاکید تو پہلے ہی کر دی تھی کہ وہ اس وقت تک گھر پر موجود رہے جب تک کہ وہ واپس نہ آ جائے۔ اس پابندی نے گویا سے پاگل ہی بنا دیا تھا۔ دیسے ہلکی قسم کی دیواری دن بھر طاری رہی تھی۔ اس کی زبان میں اس ”بکر مجھ“ کی زیارت کرنے والوں نے اسے ادھرا کر دیا تھا۔ کسی کو ٹالا کسی کی خوشامدیں کیں اور کسی پر چھٹھلایا۔ دن بھر کی بک بک جھک جھک کی بناء پر اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو گیا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کافی پیے یا خوشی کی براعڑی سپ کر لے۔ فاختا اسے باہر کپاڑ میں رکھوائی کرنے والے کتوں کا شور سنائی دیا۔ پہلے اس نے اس کی طرف کچھ دھیان نہ دیا لیکن جب شور بڑھتا ہی گیا تو وہ چھٹھلا کر باہر نکل آیا۔ عمرات کے باسیں بازو کی طرف چاروں کتے ایک جگہ کھڑے اچھل اچھل کر بھوک رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک بند دروازے کے پیچے کی زمین سو گھنے لگتے تھے۔

حید نے انہیں ڈائیکن ان کے جوش میں کی واقع نہ ہوئی۔

”اب بے تم میری جان کو آگئے۔“ وہ چھٹھلا کر بولا۔ ”جہنم میں جاؤ۔“

کتے بدستور دروازے کی زمین سو گھنے سو گھنے کر بھوکتے رہے۔ حید کے ذہن میں ایک شبہ نے

سر ایجادا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر اس پر یہ بات روشن ہو گئی کہ کوئی اس دروازے سے اندر گھا ہے کیونکہ اور پر کا ایک شیشہ نوٹا ہوا تھا، جو نایاب کچھ دیر قبیل ہی توڑا گیا تھا۔

حید نے تین کتوں کو تو دہیں چھوڑا اور ایک کا پیٹ پکڑ کر گھینٹا ہوا اندر لا لیا۔ پھر تو کروں کو دروازے کر اس نے انہیں بھی ہوشیدار کر دیا۔ کتابوں میں ایک طرف بھاگ رہا تھا۔ فاختا ایک کمرے کا دروازہ دھڑا کے کے ساتھ بند ہوا اور حید اس پر پلی پڑا۔ کوئی دوسرا طرف سے زور لگا کر چھٹی چڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حید نے ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ دوسرا طرف کوئی گرا اور حید بھی اپنے ہتھی زور میں اس پر جا پڑا۔ اسی کے پیچے کتاب بھی تھا جس نے ایک آدھ پیچے اسے بھی مارے۔ کمرے میں اندر ہوا تھا۔ اچاک حید کو ایسا محض ہوا جیسے اس کا جسم پلاکا ہو کر ہوا میں اڑنے لگا ہو۔ کیونکہ اس کے پیچے دبا ہوا جسم کسی مرد کا نہیں تھا۔ حید کی گرفت ڈھلی پڑ گئی۔ قبل اس کے وہ ترپ کر نکل جاتی اس نے اس کے بال مضبوطی سے جکڑ لئے اور ایک سریلی چیخ کرے میں گون آئی۔ بہر حال حید کے حواس بجا ہو گئے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس عورت کے بال پکڑ کر کھے تھے اور دوسرا سے کتے کو ہلکیتے کی کوشش کر رہا تھا جو اس نکر میں تھا اک اپنے شکار کی تکہ بوٹی کر دی۔

”پکوو..... اس خبیث کو۔“ اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکروں کو لکھا۔ نوکروں نے کتے کو قابو کر لیا اور شاید اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ حید انہیں اپنی مدد کے لئے پاڑے گا۔ حید اس کے بالوں کو پکڑے ہوئے اسے روشنی میں لایا اور پھر اس کی گرفت ڈھلی پڑ گئی۔ ایک خوبرو لیکی اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہنزوں سے خون بہر رہا تھا۔ اس نے مغربی طرز کا لباس پہن رکھا تھا اور خود بھی کسی مغربی ہی ملک کی باشندہ معلوم ہوتی تھی۔

”کون ہو تم.....؟“ حید نے اپنی آواز میں کرخی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور حید کو یہ دیکھ کر حرمت ہونے لگی کہ اس کے پھرے سے ذرہ مالدہ بھی سرا سیکھی ظاہر نہیں ہو رہی۔ فریڈی کی صحت میں رہ کر اسے تھوڑی بہت فرقہ اور جرسن بھی آگئی تھی۔ اس نے ان دونوں زبانوں میں بھی اپنا سوال دھر لیا لیکن جواب ندارد۔ وہ اسے

دیوانوں کی طرح گھورے جا رہی تھی۔ وغطاً اس کے ہونٹ سکھلے۔
 ”پپ..... پپ..... جیسے..... پی..... ہی ہی ہی ہی۔“
 وہ حمید کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بے تحاشہ ہنسنے لگی اور حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔
 ”پاگل معلوم ہوتی ہے۔“ اس نے نوکروں کی طرف مڑ کر خوفزدہ آواز میں کہا۔ وہ شیر کی
 منہ میں ہاتھ دے سکتا تھا لیکن کسی پاگل عورت سے بھڑنا اس کے بیس کاروگ نہیں تھا۔ جب سے
 سملیں کے قوم کی ایک پاگل عورت سے اس کا سبقہ پڑا تھا پاگل عورتوں کو دیکھ کر ہی اس کی روح قہ
 ہو جاتی تھی۔

وہ تھوڑی دری تک ہنسنی رہی پھر اس نے ایک ایسی حرکت کی کہ حمید نے بوکھلا کر اپنی
 آنکھیں بند کر لیں۔ شاید نوکروں کی بھی یہی حالت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس کے قدموں کی آواز
 صاف سن رہے تھے لیکن اپنی جگہوں پر اس طرح جھے ہوئے تھے جیسے پھر کے ہو گئے ہوں۔

”کون ہو تم.....؟“ حمید نے اچاک فریدی کی آواز سنی اور آنکھیں کھول دیں۔
 لیکن وہ اب بھی اسی حالت میں تھی۔ فریدی نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ کر اوپر اٹھادیا اور
 اب وہ اس قابل ہو گئی تھی کہ حمید باقاعدہ اپنی آنکھیں کھول سکے۔ وہ لڑکی اب بھی خاموش تھی۔

”حمدید..... یہ کیا بد تیزی ہے؟“ فریدی انتہائی غصے میں اس کی طرف مڑا۔
 ”آپ..... بات.....“ حمید ہکلایا۔ ”بات تو کچھ لجھے..... یہ..... یہ..... پاگل ہے۔“
 ”کون ہو تم.....؟“ فریدی نے پھر لڑکی سے سوال کیا۔
 لیکن وہ کچھ نہ بولی۔

فریدی بھی حمید کو گھوڑا، بھی لڑکی کو اور بھی قریب کرڑے ہوئے نوکروں کو۔
 حمید نے جلدی جلدی اور ہکلا ہکلا کر اسے پوری بات سمجھانے کی کوشش کی اور بولا۔
 ”نوکروں سے پوچھ لجھے۔“

اسے خوف تھا کہ فریدی کچھ اور نہ سمجھا ہو۔ فریدی نے نوکروں کو جانے کا اشارہ کیا اور لڑکی
 کو ڈرائیک روم میں لے آیا۔ حمید بھی اس کے پیچے تھا۔

”اس کے ہاتھ نہ چھوڑیے گا..... ورنہ.....!“ حمید نے کہا۔

”بکومت.....!“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔ پھر لڑکی سے انگریزی میں پوچھنے لگا۔ ”تم کون ہو
 اور یہاں کیوں آئی تھی.....؟“

”یہ نہ رہو.....!“ لڑکی نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور روپڑی۔

”کیوں.....؟“ فریدی گرج کر بولا۔

”ارے خدا کی قسم.....“ حمید بوکھلا کر بولا۔ ”یہ مکار جھوٹی ہے..... نوکروں سے.....!“

”خاموش رہو۔“ فریدی چینا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ ”بہتر ہے کہ تم اسی وقت
 رُٹھی سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا۔“

”آپ سنئے تو سکی۔“

”میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“

”تو جہنم میں جائیے۔“ حمید نے جھلاہٹ میں اپنے قریب پڑی ہوئی چھوٹی میز کو ٹھوکر
 ماری اور کمرے سے نکل گیا۔ اس نے تیزی سے پائیں باغ طے کیا اور چھانک کے باہر نکل گیا۔
 غصے سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وغطاً وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا
 پھر چھانک کی طرف لوٹ آیا۔ سردی سے اس کے دانت نکار ہے تھے لیکن وہ پتلوں کی جیب میں
 ہاتھ ڈالے چھانک سے چپکا کھڑا رہا۔ اسے اس لڑکی کے بر جست جھوٹ پر حیرت ہو رہی تھی اور
 اس کی ذہانت پر بھی..... وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ لڑکی کس طرح کوئی میں داخل ہوئی تھی اور اس
 کا مقصد بھی اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ تو بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اندر سے
 اکیلی باہر نکلی تو یہ تاریک سڑک کام دے گی۔

اب سے فریدی پر بھی غصہ نہیں تھا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے کن الفاظ میں اس
 کی توہین کی تھی۔ ٹھنڈک کے ساتھ بن ایک ہی خیال اس کے ذہن سے چپک کر رہا گیا تھا۔

چھانک کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ پیچھے سرک گیا۔ اس نے سیاہ سوٹ پکن رکھا
 تھا..... اس نے تاریکی میں اس کے دیکھ لئے جانے کے امکانات کم تھے۔

فریدی اور وہ لڑکی چھانک پر آ کر کڑے ہو گئے تھے۔

”مجھے اس واقعے پر انہائی افسوس ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ فتح گئیں۔“ فریدی اسے کہہ رہا تھا۔

”میں اس کی رپورٹ ضرور کروں گی۔“ لڑکی کے لبھ میں جھلاہٹ تھی۔

”بیکار.....!“ فریدی بولا۔ ”بات بڑھانے سے کیا فائدہ..... اس سے آپ کی بھی بدنای ہو گی۔“

”خیر.....!“ لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ”یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ وحشیوں ملک ہے۔“

پھر حمید نے قدموں کی آواز سنی۔ وہ لڑکی اس کے قریب سے ہو کر گزری اور فریدی اندر واپس چلا گیا۔

حمدید بے پاؤں کچھ دور تک اسکے پیچے چلتا رہا۔ پھر دفتراً اس پر ٹوٹ پڑا۔

”دھرم روڈ ارلنگ.....!“ وہ ہاتھ پر بولا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں آسمان کے سارے ستارے زمین پر اتر آئے۔ دوسرا گھونٹ کپٹی پر پڑا اور کچھ ستارے حمید کی آنکھوں میں گھس گئے اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ کسی نے پیچے سے اس پر حملہ کیا تھا۔

اور پھر اسے ہوش آیا تو اس نے خود کا پیٹے بستر پر پایا۔ فریدی اس پر جھکا ہوا تھا۔

”حمدید..... پیارے مجھے معاف کر دو۔“ فریدی کے لبھ میں ندامت تھی۔

حمدید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی دونوں کپٹیاں سہلا کیں، جو ابھی تک دکھ رہی تھیں اور فریدی کو گھورنے لگا۔

”جسچ وہ مجھے چوت دے گئی۔“ فریدی پھر بولا۔

حمدید نے قہقہہ لگایا اور جیچ کر بولا۔ ”ایشیا کا عظیم سراغ رسماں زندہ باد۔“

پھر نہ اسامنہ بنا کر لیٹ گیا کیونکہ چیختنے پر اتنے چکر آ گیا تھا۔

”یادوں اس حالت میں تھی کہ میں بھی سمجھا۔“ فریدی پھر حمید پر جھک کر بڑیدیا اور نوک کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا۔

”آپ مجھے اتنا لفڑ سمجھتے ہیں۔“ حمید من بنا کر بولا۔ ”لیکن میں..... مجھ پر کس نے حملہ کیا۔“

”خدا؟ میں سمجھا شاید آپ!“

”قطی نہیں..... میں اسے چھانک تک چھوڑ کر واپس آیا۔ تم پر شدید غصہ تھا۔ اس نے کھانا بھی نال کر سیدھا سونے کے کمرے میں چلا آیا..... اور پھر وہ ٹرانسیمیٹ اور وہ چھڑی دونوں غائب تھے۔“

حمید نے پھر تھوڑہ لگایا۔ اس وقت وہ خود کو ایک عظیم انسان ہیر و بکھر رہا تھا..... حالانکہ وہ اسے بھی پاگل بن کر ڈراچکی تھی اور صاف نگلی جا رہی تھی لیکن پھر بھی وہ اس وقت فریدی کا مٹھکہ اڑانے پر قتل گیا تھا۔ دغتاً ایک خیال اس کے ذہن میں گنجانا۔ آخر وہ ٹرانسیمیٹ اور چھڑی کس طرح لے گئی۔

”لیکن وہ غالباً خالی ہاتھ تھی۔“ حمید نے کہا۔

”اور وہ خود اس طرح تمہیں بیہوش بھی نہیں کر سکتی تھی۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”صاحبزادے اس نے کوئی میں بھی تھی کہ گھر کے سارے افراد کو کسی ایک جگہ اکٹھا کر لے اور اس کے ساتھی اپنا کام کر جائیں۔ چاروں رکھواں کرنے والے کوں کی لاٹیں باہر کپاڑوں میں پڑی ہوئی ہیں۔“

”ارے.....!“ حمید کے لبھ میں تحریر تھا۔ ”انہیں کس نے اور کب مارا.....؟“

”یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن ان پر بھی وہی زہر لیلے تیر چلانے گئے ہیں۔ یہ چاروں تیر بالکل دیسے ہی ہیں جسیا دہ تیر تھا۔“

”کون سا.....؟“

”وہی جس سے چودھری کی کوئی میں ایک غیر ملکی کوموت کے گھاث اٹارا تھا۔“

حمدید اپنی خٹک زبان تالو سے رگڑنے لگا۔ فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر بولا۔ ”وہ دونوں چیزیں کمرے میں نہ پا کر مجھے تمہاری مظلومیت کا احساس ہوا اور میں کوئی سے نکل کر سڑک کی طرف دوڑا۔ حالانکہ یہ سو فصدی محنت تھی لیکن اگر مجھے سے یہ حمافت سرزنشہ ہوتی تو تم سردی سے اکڑنے لگتے ہو تے۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ اس کے سر کا درد دھن سے تجاوز کرتا جا رہا تھا۔

”لیکن آپ تو اس رئیس میر اور گارسائے والے معاملے کو چھپانا چاہتے تھے۔“
”قطیعی اسے تو چھپانا ہی پڑے گا۔ ورنہ کسی وقت بھی موت سے ملاقات ہو سکتی ہے۔
گارسائے خود کو آزاد رکھنے کے لئے بہت کشت دخون کیا ہے وہ ہم پر کہیں بھی اور کسی بھی
وقت حملہ کر سکتا ہے۔“

”چھر آپ نے چوری کی روپورٹ کیوں کی ہے۔“

”یہ پوچھو کہ کس چیز کی چوری کی روپورٹ کی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”حقیقتاً وہ مچھلی¹
چ رائی کی ہے۔“

”مچھلی.....!“ حمید حیرت سے بولا۔ ”اسے تو آپ نے تصویر بھیجنے کے بعد ہی
باور بھی خانے میں پہنچا دیا تھا۔“

”شاید ان گھونسوں نے تمہارے اسکریوڈھیلے کر دیے ہیں۔ صاحب زادے اگر اس کی
چوری کی روپورٹ نہیں کروں گا تو کل آفیسروں کو دکھاؤں گا کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کے
درشن کے لئے بُری طرح بے چین ہیں۔ دوسرا بات! روپورٹ لکھوانے کے سلسلے میں کسی نہ کسی
پرشہر بھی ظاہر کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے میں نے پروفیسر درانی کو منتخب کیا ہے۔“

حمدی حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی بولتا رہا۔ ”شے کی وجہ بھی لکھوانی پڑے
گی۔ اس کے لئے میں آج شام کا اخبار پیش کر دوں گا۔ جس نے یہ خبر چھاپی ہے کہ پروفیسر
درانی کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی انپکٹر فریدی نے اس عجیب و غریب مچھلی کو فروخت کرنے
سے صاف انکار کر دیا۔“

”آخر سے فائدہ.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ میں پروفیسر درانی کے گھر کی ٹھاٹی لینے کے لئے وارث حاصل
کر سکوں گا جس کے لئے میں بُری طرح بیتاب ہوں۔ اس کے گھر میں ٹھلاڑ کی موجودگی کوئی
خاص معنی رکھتی ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ٹھلاڑ کا تعلق پروفیسر چودھری کی کوئی میں ہونے
والے واقعات سے بھی ہے۔“

”اس ہڈیوں کے ڈھانچے کے تعلق تو میں بھول ہی گیا۔“ حمید نے کہا۔

”میں سمجھا تھا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”کہ شاید اس کا تعلق پروفیسر درانی سے ہے۔“
”خوب یاد دلایا۔“ فریدی چونک کر بولا۔ ”اس رئیس میر یا اس چھڑی کے جانے کا افسوس
نہیں کیونکہ اس کے ذریعے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا کرچکا۔ لیکن اس وقت اس لڑکی نے کچھ مجھے
میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ابھی بتانا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

”تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔ حمید پر غونڈگی طاری ہو گئی تھی۔ لیکن اس کی آہٹ پر وہ چونک
پڑا۔ فریدی جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس نے آواز دی۔“

”میں جاگ رہا ہوں۔“

”میں سو جاؤ۔“

”کیا بھوکا ہی سور ہوں۔“ حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

”شاید تم مررتے وقت بھی بھی کہو گے۔“ فریدی بُس پڑا۔

اس نے ایک نوکر کو آواز دے کر وہیں کھانا لانے کو کہا اور شرارت آمیز نظر وہ سے حمید کو
دیکھتا رہا۔

”کیا مطلب.....؟“ حمید اسے گھوننے لگا۔

”یاد مجھے اس لڑکی کی حرکت پر تھی آرہی ہے۔ اس نے تو تمہارا سر ہی تڑوا دیا ہوتا..... نہ
جانے میں کیا سوچ کر کچھ نہیں بولا..... ورنہ دل بھی چاہا تھا کہ تمہاری مرمت کر دوں۔“

”تو قبل فریدی صاحب۔“ حمید اپنا اوپری ہونٹ بھیجنے کر بولا۔ ”میں اتنا کمزور بھی نہیں
ہوں جتنا ظاہر کرتا ہوں۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم معمولی مرمت سے ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتے۔“ فریدی مسکرا۔

”خیر اگر کبھی اس کا موقع آگیا تو یہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔“

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”میں نے جلدیش کوفون کیا ہے کہ میرے
بھاں چوری ہو گئی۔ وہ روپورٹ لکھنے کے لئے آہی رہا ہو گا۔“

”بجھے قانون نہ پڑھائیے۔“ فریدی خنک لبجھ میں بولا۔

”آپ تو بگزگے۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“

”بس جو میں آپ سے کہوں کرتے جائیے..... میں سب کچھ اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہوں۔“
جلد لش خاموش ہو گیا۔ وہ انکشہر فریدی کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور اسے اتنی ترقی اسی کے طفیل نصیب ہوئی تھی۔ اس نے کئی چیزوں میں نہ صرف اس کی رہنمائی کی تھی بلکہ عملی طور پر اس کا ہاتھ بٹایا تھا۔

”میں معافی چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”معاف کیا گیا۔“ فریدی نے اکثر کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر جنیدگی سے بولا۔

”جلد لش صاحب! یہ محض اس محفل کا معاملہ نہیں ہے۔“

”پھر.....؟“

”ابھی کچھ نہ پوچھو۔ آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

شوکر چکنے کے بعد فریدی نے لباس تبدیل کیا اور پھر وہ ناشتہ کی میز پر آبیٹھے۔

”اپے کانٹیلوں اور محرک کو بھی ناشتہ بھجوادو۔“ فریدی نے جلد لش سے کہا پھر اس نے باور پی کو بلا کر اس کے متعلق ہدایات دیں۔

”بھائی حمید تو بڑے زوروں پر جا رہے ہیں۔“ جلد لش اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

”تم بھی زوروں پر ہوتے۔ مگر تمہیں تو سڑی بھی وردی لا دینی پڑتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اور سنایے! اس درمیان میں آپ کو کسی سے عشق ہوا یا نہیں؟“

”ایک بہمن کے لڑکے پر مر مٹا ہوں مگر کیا کروں کہ اس کے سیاں کوتوال ہیں اور وہ خود کو توالی اپنچارج۔“

جلد لش جھینپ کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”یہ پروفیسر چودھری کا کیا معاملہ ہے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”انتہائی میں بھی جانتا ہوں جتنا کتم.....!“ فریدی بولا۔

”مگر ہے معاملہ حرمت انگلیز..... کہیں یہ اس کی عورت ہی کی حرکت نہ ہو..... سائنسٹ

”وہ پروفیسر چودھری ہی کا ہے۔“

”آپ یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟“

”انگلی کی بڑی میں پھنسی ہوئی ایک انگوٹھی بیکی ظاہر کرتی ہے۔ مز چودھری نے اسے شناخت کر لیا ہے۔“

”بڑا چیخیدہ معاملہ ہے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ شاید وہ اس وقت اس معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔

”چیخیدہ ترین کبو۔“ فریدی نے سگار سلاک نے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر چونکہ کر بولا۔

”ابھی تک کھانا نہیں آیا۔“

عاضرہ

دوسری صبح حمید نے لباس کے انتساب کے سلسلے میں سلیقے اور نقاشت کی حد کر دی۔ پھر ایونٹ ان چیزوں کی آدمی شیشی صاف ہو گئی۔ وہ مز چودھری کی پیٹ کی ہوئی تصویر کو گوشت و پوست میں دیکھنے جا رہا تھا۔ پروفیسر درانی کے گھر کی ملائشی لینے کے سلسلے میں سارے انتظامات کامل ہو گئے تھے اور کوتوابی انچارج انکشہر جلد لش اس وقت فریدی ہی کی کوئی میں موجود تھا۔ اس کے چہرے پر ابھیں کے آثار تھے اور وہ بار بار فرمویڈی کی طرف نظریں اٹھاتا جو سلپینگ گاؤں میں لپٹا ہوا شیو کر رہا تھا۔

”معاملہ بڑے آدمی کا ہے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”پھر.....؟“ فریدی ہاتھ روک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”وہاں آپ کی موجودگی قطعی غیر قانونی ہو گی۔“

عموماً خلک طبیعت کے ہوا کرتے ہیں۔ وہ ایک رنگین مزاج عورت ہے۔ آرٹسٹ بھی ہے۔ ہو سکے ہے کہ اس کے کسی عاشق نے اسے قتل کر کے سینیں دفن کر دیا ہو۔

”ضروری نہیں کہ ہر آرٹسٹ عورت عاشق بھی رکھتی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ضروری نہیں کہ ہر رنگین مزاج عورت اپنے شوہر سے بے وفائی ہی کرے۔“

”آپ عورتوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“ مید نے کہا۔ ”اس لئے اس موضوع پر روشنی ڈالنے سے گریز کیا کیجھ۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن بچپلی رات کو.....!“

”یہ حلوہ بھی کھائیے تا۔“ حمید جلدی سے بولا اور پھر اس کی زبان تیزی سے چلتی گئی۔ ”آپ کی خوارک روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ رنگ پیلا پڑتا جا رہا ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقة پڑ گئے ہیں۔ دماغ جھامیں جھامیں کرتا ہو گا۔ خوب ڈٹ کر کھایا کیجھے ورنہ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں اڑنے لگیں گی اور محصول ڈاک بندہ خریدار ہو جائے گا۔“

”بچپلی رات.....!“

”بھائی جکد لیش! تم تکلف کر رہے ہو۔“ حمید تیزی سے جکد لیش کی طرف مڑ کر بولا۔ ”یہ جیلی..... اٹھے تم نے کھائے ہی نہیں..... اماں تم تو بزری کو رکھی نہیں تھے۔“

”بچپلی رات بڑی خونگوار تھی۔“ فریدی نے اکتا کر جملہ پورا کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نہیں دیرنہ ہو جائے۔

ناشیت کے بعد ان کی پارٹی پروفیسر درانی کی کوئی کی طرف روانہ ہو گئی۔

کپاڈ اٹھ میں سنا تھا۔ برآمدے میں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ ایک کمرے کے دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر ”سیکریٹری“ لکھا تھا۔ لیکن یہ کمرہ بھی بند تھا۔ پھر وہ صدر دروازے پر آئے اور فریدی بار بار رکھتی کا بنی دبانتے لگا۔ پوری عمارت کا کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا دکھائی نہیں دیا..... حتیٰ کہ کھڑکیاں تک بند تھیں۔

فریدی کوئی دیر نیک کھٹنی بجا تارہ۔ تقریباً چدرہ مت بعد اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی بھوی بھائی لڑکی دکھائی دی۔ جس کے ایک ہاتھ میں لکھا تھا اور

دوںوں ہاتھ تیل میں ڈوبے ہوئے تھے۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”پروفیسر کو باہر بیکھج دیجئے۔“ فریدی اپنی فلٹ ہیئت اتنا تباہ و نرم لجھ میں بولا۔

”باہر.....!“ لڑکی اسے گھوٹی ہوئی بولی۔ ”وہ بکھی باہر نہیں آتے۔ تم لوگ چپ چاپ

چلے جاؤ۔ آج مجھے پہلی بار موقع ملا ہے کہ میں اپنے ڈیڈی کے بال سنوار سکوں۔“

”آپ ان سے کہنے کر پوچھیں گھر کی تلاشی لیتا چاہتی ہے۔“

”وہ میری نہیں نہیں گے! آپ لوگ جائیے۔“

”تب پھر ہمیں مجبوراً..... زبردستی گھر میں گھسنا پڑے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بنس کر بولی۔

”چلو میں تمہیں ڈیڈی سے ملاوں۔ اب وہ سب سے مل سکتیں گے۔ میرے ڈیڈی بہت بڑے آدمی ہیں۔ آئیے۔“

”سیکریٹری کہاں ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”پتے نہیں!“

وہ اس کے چیچے گھر میں داخل ہوئے۔ پوری عمارت سفانہ پڑی تھی۔ انہیں ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ کسی دیران مقبرے میں چل رہے ہوں۔ ان کے قدموں کی آوازیں اوپری چھت والے کمروں میں بازگشت پیدا کر رہی تھیں۔ لڑکی انہیں پروفیسر کے سونے کے کمرے میں لے آئی۔

اور پھر ان میں سے کئی اپنی چیزیں نہ روک سکے۔ پروفیسر اپنے پنک پر چت پڑا تھا لیکن اس کی گردن کئی ہوئی تھی۔ خون بستر پر جم کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ اس کے بال تیل سے بھیکے ہوئے تھے اور انہیں بڑے سلیقے سے سنوارا گیا تھا۔ شایدی ڈاڑھی میں بھی لکھا کیا گیا تھا۔

فریدی تھیر آمیز نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”دیکھو! میرے ڈیڈی کتنے اچھے لگتے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولی اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے

کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ ”وہ سب کے سب بت بنے کھڑے رہے۔“

”میں سوچا کرتی تھی کہ ڈیڈی کے سر میں تیل ڈالوں۔ ان کے بال سنواروں، لگھنوں ان

میں لگنگی کر دیتی تھی۔

”سنوبیٹی۔“ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ”میں تمہارے ڈیڈی کا دوست ہوں..... کیا تم میرے گھر چلے گی؟“

”ڈیڈی نہیں جانے دیں گے۔“ اس نے شکایت آمیز لمحے میں کہا۔ ”وہ مجھے کہیں نہیں جانے دیتے۔“

”میرے بہاں جانے سے نہیں روکیں گے۔“

”گھر میں ڈیڈی کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی۔“

”اچھی واپس آ جانا..... شاباش..... بڑی اچھی بیٹی ہے۔“

”اچھا آپ کے بہاں نہیں نہیں پہنچے ہیں۔“ اس نے حضوریت سے پوچھا۔
”ہاں..... ہاں.....!“

”آپ کی بیوی پیانو پر گیت کاتی ہیں۔“

”ہاں..... تم چلو تو کسی..... سب کچھ ہے۔“

”لیکن میں انہیں کہوں گی کیا.....؟“ وہ خود سے باتیں کرنے لگی۔ ”ڈیڈی کے دوست ہیں تا..... بس میں انہیں پچھی ماں کہوں گی..... اور پہنچے کو منا بھیا..... میرا منا بھیا۔“

اس نے اپنے دنوں ہاتھ اس طرح بینے پر رکھ لئے جیسے سچ کسی منا بھیا کو لپٹا رہی ہو۔
”میں چلوں گی۔“ وہ اٹھ کر بولی۔

فریدی اسے لے کر باہر آیا۔ پھر اسے حمید کے سپرد کر کے فرانسیسی زبان میں بولا۔ ”اور صاحب کی بیوی اور ان کے چھوٹے بھوٹے کو بھی بلوالیتا۔“ اور مختصر اسے سب کچھ بتا دیا۔

”کس زبان میں بول رہے ہیں آپ.....؟“ اس نے فریدی سے پوچھا۔

”فرانسیسی میں بیٹی! میں انہیں سمجھا رہا تھا کہ وہ تمہاری پچھی ماں سے کہہ دیں گے کوہہ تمہاری خوب خاطر کریں۔ تمہیں پیانو پر گیت سنائیں۔“

”یہ کون ہیں؟“

”میرے بھائی ہیں۔“

کا سر سہلا دیں لیکن وہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بڑے خراب ہیں ڈیڈی۔“ اس نے اس طرح منہ بنا لیا جیسے ڈیڈی سے روٹھ گئی ہو۔ پھر بنس کر بولی۔ ”مگر..... آج ڈیڈی نے کچھ نہیں کہا۔ میں ایک گھنٹے سے ان کا سرداری تھی..... دیکھو..... دیکھو۔ انہوں نے آج تمہیں بھی کچھ نہیں کہا۔ ورنہ وہ ملنے والوں کو مار بیٹھتے تھے..... میرے ڈیڈی اچھے ہو گئے۔“ اس نے بچوں کی طرح تالی بجائی اور جک کر مردہ پر فیر کی پیشانی چوم لی۔

جنہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ روپڑیں گے چپ چاپ کرے سے نکل گئے۔ ان میں حمید بھی تھا۔ وہ ایک دوسرے خالی کمرے میں جا کر بے تحاش روئے تھے۔
اس کے ذہن کی تہ جانے کوں ہی گراں اچاںکھل گئی تھی۔

”یہ تمہارے ڈیڈی ہیں؟“ فریدی نے نرم لمحے میں پوچھا۔

”ہاں..... ہاں..... تمہیں یقین کیوں نہیں آتا..... میں سمجھ گئی۔“ وہ بچوں کی طرح بنس کر بولی۔ ”انہوں نے تمہیں مارا نہیں۔ اس نے تم انہیں ڈیڈی نہیں سمجھتے..... ڈیڈی اچھے ہو گئے..... اب وہ کسی سے جھگڑا نہیں کریں گے..... کسی کو نہیں ماریں گے..... میں ڈیڈی سے ڈرتی ہوں..... مگر انہوں نے مجھے کبھی نہیں مارا..... دیکھو دیکھو! آج ڈیڈی کے بال کتنے اچھے لگ رہے ہیں..... میرے ڈیڈی۔“ اس نے پھر لاش کی پیشانی چوم لی۔

”بی بی ہوش میں آؤ۔“ جگدیش کیکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں بے ہوش کب ہوں۔ تیز سے بات کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں عامرہ درانی ہوں۔“ اس نے کہا اور پروفیسر کے سرہانے بیٹھ کر اس کی ڈاڑھی میں لکھا کر نہ لگی۔

فریدی بہر نکل آیا۔ وہ حمید کو لٹاٹا کر رہا تھا۔ اس نے اسے ایک کمرے میں روٹے دیکھا۔ ”حید.....!“ فریدی نے اسکے کانہ سے پرہاڑ کرنا اور اس نے جلدی سے آنسو پوچھ ڈالے۔

”اس لڑکی کو گھر لے جاؤ..... میز پوھڑی کو فون کر کے بلا لیتا۔“
”جید کی آنکھیں پھر بھیگے لگیں۔“

”مرد کے پہلو میں پتھر کا جگہ ہونا چاہئے۔“ فریدی نے کہا اور پھر اسی کمرے میں چلا آیا۔ جگدیش وغیرہ خاموش کھڑے تھے اور عامرہ سر جھکائے ہوئے اپنے مردہ باپ کے بالوں

حیدا سے لے کر چلا گیا۔

”اچھا تو میاں جلد لش.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اب تم آفیسروں کو فون کرنے شروع کر دو۔“

”لیکن..... یہ آخر ہوا کیا.....؟“

”اس پر فون کرنے کے بعد غور کرنا۔“

آدم گھنے کے اندر ہی اندر کوئی میں شہر کے سارے بڑے آفیسر اکٹھا ہو گئے۔

”آپ تلاشی کے لئے آئے تھے؟“ گلشن نے جلد لش سے پوچھا۔

”تو پھر یہاں ان کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔“ اس نے فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

”میں اس تلاشی کے سلسلے میں نہیں آیا.....؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ اور بات ہے کہ میں اور یہ ایک ہی وقت پر یہاں پہنچے۔ میں دراصل پروفیسر چودھری والے کیس کے سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ کل پروفیسر چودھری کے یہاں ایک بند کنوئیں سے انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے اور ایک انگوٹھی کی بناء پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ ڈھانچہ پروفیسر چودھری ہی کا ہے۔ دونوں پروفیسروں کے قریبی تعلقات تھے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ پروفیسر درانی سے مل کر چودھری کے متعلق دریافت کر دیں۔ لیکن..... اسے بھی کسی نے قتل کر دیا۔“

”گلشن خاموش ہو گیا۔ پھر چودھری دیر بعد بولا۔“ اس کی لڑکی کہاں گئی؟ تو کہاں ہیں؟“

”لوکی کا دماغ الٹ گیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”فون کر تھے ہی نہیں..... ایک سیکریٹری

تھا..... وہ بھی لاپتہ ہے۔“

”لیکن لوکی ہے کہاں؟“

”میرے گھر پر..... میں نے اسے گھر بھجوادیا..... یہاں اس کی موجودگی ثابت نہیں تھی۔“

”لیکن آپ نے یہ سب اپنی ترسی سے کیوں کرڈالا۔“

فریدی اپنے ہمکے کے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑا۔ شاید وہ اس سوال کا جواب اس سے دلوانا چاہتا تھا۔

”بات یہ ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی جلدی سے بولا۔ ”انپیٹر فریدی کے پاس ایک مخصوص

اجازت نامہ ہے، جو انہیں اوپر والوں سے ملا ہے۔ مخصوص حالات میں وہ اس کی رو سے ملک بھر

میں کہیں بھی کسی بھی کیس میں دھل انداز ہو سکتے ہیں۔“

”لیکن کم از کم ہمارا انتظار تو کیا ہوتا۔“ گلشن بولا۔

”یقین بھجھ کر مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور تھہر تی تو شاید اس کا ہارت فیل ہو جاتا اور ہمیں ایک متوقع گواہ سے ہاتھ دھونے پڑتے۔“

تھوڑی دیر بعد حکم سراغِ رسانی کے فوٹوگراف نے کیسے سنبھال لئے۔

پورے کمرے کی متعدد تصویریں لی گئیں۔ فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لیکن کوئی کام کی بات دریافت نہ ہو گئی۔ قاتل یا قاتلوں نے کسی قسم کے نشانات نہیں چھوڑے تھے۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ قلچھلے بارہ گھنٹوں سے پہلے کسی وقت ہوا۔ اندازہ دیں اور گیارہ بجے رات کے درمیان کا تھا۔ دوسری طرف پولیس کی ایک پارٹی کوئی کی تلاشی لے رہی تھی۔

فریدی جائے واردات سے ہٹ کر ایک دوسرے کمرے میں آگیا۔ اس کے ماتھے کی ریگیں ابھری ہوئی تھیں۔

اس نے پر خیال انداز میں سگار سلکایا اور اسے ہوتوں میں دبائے کھڑا رہا۔ اتنے میں اس کے ہمکے کا ڈی۔ آئی۔ جی بھی اسی کمرے میں آگیا۔ فریدی نے سگار جلدی سے ہوتوں سے کالا اور پشت پر چھپا لیا۔

”تکلفات کی ضرورت نہیں۔“ اس نے کہا اور آگے بڑھ کر سگار پھر اس کے ہوتوں سے لگایا۔ ”مجھے تو بہر حال ڈپلن کا خیال رکھنا چاہئے۔“ فریدی بولا۔

”خیر..... خیر.....!“ ڈی۔ آئی۔ جی بزرگانہ انداز میں مسکرا یا۔ ”اگر ہندی نہ ہوتے تو شاید اس وقت میں تمہارا ماتحت ہوتا..... ہاں..... چھوڑو، ان باتوں کو..... تمہاری وہ محفلی تو برآمد نہیں ہوئی۔“

”جناب والا..... وہ محض ایک مشت تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”مشت تھا.....؟“ ڈی۔ آئی۔ جی نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں..... ہاتھ کی ایک معمولی صفائی..... بکری کا سر اور چھلی کا ہڑ جانا مشکل کام نہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن.....!“

”چودھری والے کیس کے سلسلے میں اس گھر کی تلاشی لیتا چاہتا تھا۔“ فریدی نے اس کی

بات کاٹ کر کہا۔ ”لہذا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مگر اب خود اس کا قتل یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس سازش کی ذور کبھی دور امتحنی ہے۔“ فریدی نے اپنی آواز دیکھی کر دی۔

”اس درمیان میں پروفیسر چوہدری کی کوئی غیر ملکی جاسوسوں کا اکھاڑہ بنی رہی ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ ڈی آئی۔ جی چوک کر بولا۔

”اطمینان سے تھائی میں بتاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اسے مصلح ضابطے کی رپورٹ میں نہ دے سکوں گا۔“

”میں جانتا ہوں۔“ ڈی آئی جی مسکرا کر بولا۔ ”تم کسی کیس کے دوران تقتیش میں کبھی ڈھنگ کی رپورٹ نہیں دیتے۔“

”لیکن میں صرف آپ کو سب کچھ بتاؤں گا اور پھر آپ ہی اس کی رازداری کی اہمیت کا اندازہ لگائیں گے۔“

ڈی آئی۔ جی چلا گیا۔

ٹھوڑی دیر بعد باقی آفیسر بھی چلے گئے۔ صرف ایک ڈی۔ ایک۔ پی تین سب انسپکٹر اور چند کاشیل رہ گئے۔ لاش پوست مارٹم کے لئے بھجوادی گئی۔ باہر پر لس رپورٹوں اور پیلک کا بیوم تھا۔ پروفیسر کے قتل کی خبر آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی تھی اور پھر یونیورسٹی کی لہروں نے اسے ساری دنیا میں منتشر کر دیا تھا۔

فریدی نے کوئی کاچا لک بند کر دایا اور پھر اس نے کوئی کی خلاشی لئی شروع کر دی۔ ایک گھنٹے کی حکم کے باوجود بھی ایسی کوئی چیز نہ مل سکی جس سے کسی خاص راستے کی طرف رہنمای ہو سکتی۔

فریدی کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات ایک دوسرے سے ٹکرار ہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں عامرہ ہی اپنے باپ کی قاتل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ اس گھر میں ایک طرح سے قید تھا اور قید بھی کسی؟ قید تھائی۔۔۔ وہ اسے کہیں جانے نہیں دیتا تھا اور نہ کسی کو اپنے گھر میں قدم رکھنے دیتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے نکل آ کر اسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اور پھر اس کے بعد اچا لک اس کا دماغ الٹ گیا ہو یا ممکن ہے کہ وہ مصلح خود کو پاگل ظاہر کر رہی ہو۔

دوسری طرف بیکری ٹری کا مسئلہ تھا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ عامرہ یہ بھائی کی بیوی ہیں؟“

کہ وہ بھی رات کو موجود تھا یا نہیں۔ اس کی شخصیت پر بھی کوئی روشنی نہ پڑ سکی۔ وہ کون تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ مستقل سکونت کہاں تھی؟ اکثر کاغذات پر اس کے دستخط ضرور ملے تھے لیکن دستخط سے ہام کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو عام حالات میں دشوار ضرور ہوتا ہے اور پھر اس کے دستخط میں تو حروف سرے ہی سے غائب تھے۔ وہ صرف چند آڑی ترجمی لکھوں سے مرکب تھی۔ عامرہ کی موجودہ ذہنی یا اکتسابی کیفیت کو منظر رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے۔

کوئی پر باقاعدہ پہرہ لگ گیا تھا اور اب ایک بھرپور کی موجودگی میں سامان کی فہرست بنائی جا رہی تھی۔

فریدی کی موجودگی غیر ضروری تھی کیونکہ وہ پہلے اپنے طور پر خلاشی لے چکا تھا۔ وہ گھر واپس آگیا۔ بیرونی برآمدے میں قدم رکھتے ہی اسے بچوں کے شور کی آواز سنائی دی۔ ڈرانگ روم میں فریدی کے پڑوں کی داور صاحب کے بچے اکٹھا تھے اور عامرہ ان کے سب سے چھوٹے بچے کو گود میں لے چکھنے پھیچ کر پیار کر رہی تھی۔ اس کی عمر سولہ اور انھارہ کے درمیان رہتی ہو گی۔ لیکن وہ اس وقت ایک نئی بھی منی سی محصول لڑکی لگ رہی تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی۔

”آپ آگئے..... آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔ چھی ماں ابھی ہیں۔ انہوں نے مجھے خوب پیار کیا اور یہ منا بھیا۔“ اس نے زور سے بچے کو پیار کیا۔

”میں اسے نہیں دوں گی..... ڈی ڈی کو بھی بھیں لائیے ہا۔۔۔ آپ ڈی ڈی کے بہت اچھے ہو ست ہیں۔“

”ہاں بیٹی! میں انہیں بھی لااؤں گا۔“ فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”مگر آپ چھی ماں سے بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔“ عامرہ نے قہرہ لگایا۔

”تم نے بیانو پر گیت سناء.....؟“ فریدی نے اس کی بات اڑا کر کہا۔

”چھی ماں کو گانا آتا ہی نہیں۔“ اس نے مایوسی سے کہا۔ ”مگر وہ دوسری جو ہیں انہوں نے گیت سنایا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں بھی تمہاری چھی ہوں۔ کیا وہ آپ کے بھائی کی بیوی ہیں؟“

زیدی کی آہٹ پر چونکا۔
وہ تموزی دیر تک عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا بھروسہ۔ ”محض میں اس لڑکی کا
سامنا کرنے کی سکت ہیں۔“
”کیا ہوا.....؟“

”اے دیکھتے ہی میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتا..... اس کا کیا انتظام کیا جائے۔“
”وہ بعد کو سمجھیں گے۔“ فریدی اٹھ کر دروازے کے قریب جاتا ہوا بولा۔ اس نے کارپور
میں جا کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر اندر لوٹ آیا اور حمید کے کانہ ہے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔
”مسز چودھری پر اس لڑکی..... مگر نہیں..... میں تمہیں ایک بات بتانا بھول گیا تھا..... تم
نے فون پر مسز چودھری کو سب کچھ بتا دیا ہو گا۔“
”نہیں..... میں نے اسے صرف بلا یا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”میں خوب بھی مسز چودھری پر اس
کا عمل دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی ایک بات مجھے شروع سے کھنک رہی تھی کہ اس نے ایک ہی
لائقات پر اس کی تصویر کیسے بنائی تھی۔ لوگ ہفتلوں پوز دیتے ہیں تب جا کر کہیں تصویر مکمل ہوتی
ہے۔“

”خیر..... یہ کوئی اہم بات نہیں..... ایک اچھا آرٹسٹ صرف چند گھنٹوں میں مکمل اکٹھ
لے سکتا ہے..... یہ مت بھولو کر اس تصویر میں زیادہ تر تارا چودھری کے تخلی کی رنگ آمیزی
ہے۔ بہر حال تم نے بہت اچھا کیا۔ ہاں تو اس پر کیا بولی رہا۔؟“
”اس نے جیسے ہی عامرہ کو یہاں دیکھا بھوپنگی رہ گئی اور سب سے پہلا ہی سوال کیا کیا
پوچھیج دیا۔“

”دیکھ کر.....!“

”اور پھر جب میں نے اسے پورا قصہ بتایا تو اس کے چہرے پر ہوا یاں اڑنے لگیں۔
عامرہ نے قسمی نہیں پہچانا..... میں نے اسے یہ بھی یاد دلانے کی کوشش کی..... لیکن..... وہ بھی
کہنی رہی..... کہ..... میں نے پہلے کبھی انہیں نہیں دیکھا۔“
”یار بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔“ فریدی تموزی دیر خاموش رہ کر بولा۔ ”شلار کا نام میں

استے میں مسز چودھری اور داور صاحب کی بیوی اندر سے آگئیں اور دونوں کی آنکھیں
سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید وہ دیر تک روئی تھیں۔ فریدی سوچنے لگا کہ عامرہ مسز چودھری کو نہیں
پہچان سکی۔

”عامرہ بیٹی۔“ فریدی نے کہا اور مسز چودھری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ”کیا تم نے
انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا.....؟“
”نہیں..... میں نے نہیں دیکھا ہے۔ مگر یہ بہت اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے کئی گیت
 سنائے تھے..... اب ڈیڑی کو لے آئیے تا..... میرے ڈیڑی یہاں آ کر خوب نہیں گے.....
آپ نے بندرا بھی پال رکھے ہیں وہ ان کی اچھل کو دیکھ کر خوب نہیں گے..... مگر..... آپ ان
بندروں اور اپنے پرندوں کی کافی دیکھ بھال رکھنے کا ورنہ ڈیڑی انہیں لیبارٹری میں لے جا کر ان
کی چیز پہاڑ کر دیں گے۔“

”انہوں نے تمہاری تصویر بھی تو بھائی تھی۔“ فریدی نے پھر مسز چودھری کی طرف اشارہ کیا۔
”نہیں تو..... آپ جھوٹ کہتے ہیں۔“

”ہاں بیٹی..... تمہیں چودھری چھایا دیں؟“
”کون چودھری چھا..... میں نہیں جانتی۔ جائیے! ہم کھل رہے ہیں۔“
فریدی وغیرہ وہاں سے ہٹ آئے۔ عامرہ بچوں میں کھل رہی تھی۔
”یک بیک یہ کیا ہو گیا؟“ مسز چودھری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اس لڑکی کی
حالت دیکھ کر تو میں اپنا غم بھول گئی ہوں۔“

”وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے۔“ فریدی بولा۔ ”وہ کئی گھنٹے تک باپ کی لاش کے پاس نہ
رہی ہے۔“

”اس پہنچ کا اب کیا ہو گا.....؟“ مسز داور نے پوچھا۔
”فی الحال پچھنے کہہ سکتا..... حمید کہاں ہے؟“
”اپنے کمرے میں!“
فریدی حمید کے کمرے میں آیا۔ وہ ایک آرام کری پر نیم دراز چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دے رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر کوئی کا چکر بھی لگاتے تھے۔ لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ کوئی کی پشت پر کیا ہوا ہے۔ شاید انہوں نے اس طرف جانا ہی فضول سمجھا تھا۔ کیونکہ دیواریں بہت اونچی تھیں اور ان کی دانست میں کسی آدمی کی دستی سے قصی باہر تھیں۔

کوئی کی پشت پر دور تک لمبی گھاس کی جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ وقتاً ایک طرف کھڑا ہبھڑا ہوتی ہوئی اور جھاڑیوں سے ایک آدمی نکل کر کوئی کی طرف بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے پینچ کروہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر تک اس کی پرچھائیں دکھائی دیتی رہی پھر وہ یک بیک غائب ہو گیا۔

کچھ فاصلے پر دو آدمی اور جھاڑیوں سے نکلے لیکن وہ زمین پر پیٹ کے مل ریک رہے تھے۔ ان کا رخ بھی کوئی بھی کی طرف تھا۔ ان میں سے ایک ریگتے ریگتے رک گیا۔ دوسرا کچھ آگے بڑھ کر پیچھے کی طرفڑا اور آہستہ سے بولا۔

”کیا ہوا.....؟“

”ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔“ دوسرے نے کہا۔ ”لیکن اگر یہاں درانی کے بھوت سے شرف ملاقات حاصل ہوا تو.....؟“

”حمدیا خدا کے لئے.....“ پہلا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں کوئی کے شماں سرے پر کچھ دیکھ رہی تھیں۔

”فریدی صاحب! میں آئس کریم ہوا جا رہا ہوں۔“

”چپ.....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

شماں سرے سے ایک اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ فریدی اور حمید جہاں تھے وہیں رک گئے۔ ”مرا سایہ بھی اسی جگہ آ کر غائب ہو گیا جہاں پہلا غائب ہوا تھا۔ فریدی ایک گڑھے میں ریک گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ انہوں نے تمن سائے اور دیکھے وہ بھی کوئی بھی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دیوار کے نیچے پینچ کروہ زمین پر لیٹ گئے اور تیسرا دیوار سے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر دیوار کی جریں روشنی کا ایک دھبہ دکھائی دیا۔ وہ دونوں غائب ہو چکے تھے۔ تیسرا بدستور دیوار

نے پروفیسر چودھری کی کوئی میں سنا تھا اور ہلاڑ پروفیسر درانی کے یہاں بھی دیکھا گیا۔ چودھری کا قتل پر اسرار حالات میں ہوا اور پروفیسر درانی کا قتل بھی اس سے کم پر اسرار نہیں ہے۔ ”کیوں نہ شلاڑ کو حرast میں لے لیا جائے۔“ حمید نے کہا۔

”اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت ہم کہاں سے لائیں گے۔ البتہ اس کی کوئی نگرانی ضرور شروع کر دی گئی ہے۔ اس کا انتظام میں نے اسی دن کر لیا تھا جب انور نے مجھے اس کے متعلق اطلاع بھم پہنچائی تھی۔“

حمدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”آخر عالمہ کا کیا انتظام کیا جائے..... مسز داور اور مسز چودھری دونوں ہی اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔“

”میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے یہ سوچا ہے کہ اسے ڈی آئی۔ ڈی صاحب کے یہاں پہنچا دوں۔ وہاں وہ ہر طرح محفوظ رہے گی اور ان کا خاندان بھی خاصا بڑا ہے۔ چھوٹے بچے بھی کئی ہیں۔“

”یہ بہت اچھا رہے گا۔“ حمید نے کہا اور پاپ سلاگا نے لگا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک غم کے آثار تھے۔

اندھیرے میں

پروفیسر درانی کی کوئی رات کی سیاہ چادر میں لپٹی کھڑی تھی۔ گیارہ بج پکے تھے۔ سامنے کی سڑک سنان پڑی تھی۔ کبھی کبھی ان ستریوں کے کھانے کھنکھارنے کی آوازیں فضا میں منتشر ہو جاتی تھیں، جن کا پھرہ پروفیسر کی کوئی پر لگایا گیا تھا۔ اکثر ان میں سے ایک آدھ بلند آواز میں موسم کی ماں یا بہن سے اپنا رشتہ بھی ظاہر کر دیتا۔ وہ پوری پوری ایمانداری سے اپنے فرائض انجام

کے سہارے کھڑا رہا۔

”آنکھ مچوں کھیل رہے ہیں..... یار لوگ۔“ حمید اپنے سردی سے بچتے ہوئے دانتوں پر
قاibo پا کر آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ انہیں میں گھور رہا تھا۔ اس کی نظریں اس آدمی پر جمی
ہوئی تھیں، جو ابھی تک دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔

”قب.....!“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”مگر انہوں نے نقب لگائی کس وقت۔ پہلا آدمی
دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا تھا۔“

”اور ہم دونوں بھی۔“ حمید دانت کلکتا کر بولا۔ ”اگر تھوڑی دری اور اسی طرح پڑے رہے تو
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائیں گے۔“

”چپ.....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ اپنے دانے پر تھوڑا کھٹکا کر بولا۔ ”اگر تھوڑی دری اور اسی طرح پڑے رہا تھا۔
”ارے..... ارے.....!“ حمید ہم کرایک طرف بٹا ہوا بولا اور فریدی کو بے ساختہ بھی آگئی۔

”ابے تجھے نہیں مار رہا ہوں..... خدا کی قسم تم پرے سور ہو۔ آئے کیوں تھے؟“
”تو کیا آپ اسے مار رہے ہیں۔“ حمید نے سائے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہاں..... کون ہیں۔“
”شاید آپ کو مجھ سے زیادہ سردی لگ رہی ہے۔“ حمید اس کا پتھر والا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

”کیوں.....؟“
”اگر پتھر سے لگنے کے بجائے دیوار سے لگا تو.....؟“
”تجھے اعتماد ہے کہ وہ اس کے سر ہی پر لگے گا۔“

”تب تو آپ کو بنار بھی معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”اگر فرض کیجھ یہ پتھر
اس کے سر پر بھی پڑا تو وہ اس قابل شرہ جائے گا..... کہ بعد کو ہم اسے شناخت کر سکیں۔“

”اس کے علاوہ اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ دیکھتے نہیں کہ اس کی پشت دیوار سے لگی ہے
اور چہرہ جماری طرف ہے۔“

”اگر آپ اس کا بصدق دل اعتراض کریں کہ حمید دنیا کا سب سے بڑا سارا غر رساں ہے تو
خال کرا سکے منہ میں ٹھوٹ دیا اور فریدی کے رو مال سے اس کے ہونتوں پر پیٹی سی باندھتا ہوا بولا۔“

میں کوئی نی تدبیر سوچ سکتا ہوں۔“

”نہ صرف دنیا..... مرغخ، زہرہ، عطارد مشتری وغیرہ کے سب سے بڑے الو ہو۔“

”چلے خر بھی سکی۔ میں اسے دیوار کے پاس سے ہٹانے جا رہا ہوں اور میرا ذکش کہتا
ہے کہ وہ ریوالوں نہیں استعمال کرے گا۔ کیونکہ دوسرا طرف سلسلہ پھرہ ہے۔“

”حمدی صاحب! اسکر یو ٹھڈیلے ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا تمہیں وہ زہریلے تیریا نہیں؟“

”تجھے یقین ہے کہ اس کے پاس کمان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تیریا ریوال کی نال میں رکھ
کر نہ پھیکے جاتے ہوں گے۔ آپ آخر درتے کیوں ہیں؟“

فریدی آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر حمید کو گھورنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ حمید ہی
بول رہا ہے یا اس کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے۔

”شاید آپ پر گارسال کا خوف بڑی طرح مسلط ہو گیا ہے۔“ حمید پھر بولا۔

”حمدی پارے.....“ فریدی تحریر آمیز لمحے میں آہستہ سے بولا۔ ”کیا واقعی تم اس وقت اسی
موز میں ہو یا محض زبان طراری ہے؟“

”بات صرف اتنی ہی ہے مرشد و مولائی کہ میں اپنا خون کھولا کر سردی مٹانے کی کوشش کر رہا
ہوں..... لیکن خر..... تیار ہو جائیے..... میں اسے میدان میں لاتا ہوں.....“ حمید نے کہا اور
گڑھے کے باہر ریکھ گیا۔ وہ جھاڑیوں کی طرف جا رہا تھا۔ تھوڑی دور جل کر وہ ذرا سا ابرا اور
پھر لیٹ کر ریگلنے لگا۔ فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ آگے کی طرف
چلا ہوا شاید حمید کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ بھی پھر تی سے زمین پر لیٹ گیا اور حمید کی
طرف تیزی سے ریگلنے لگا۔ فریدی تیار تھا جیسے ہی وہ گڑھے کے قریب پہنچا اس نے اچھل کر اس
کی گردن دبوچ لی۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا لیکن وہ آدمی بھی کم طاقت ورنہ معلوم
ہوتا تھا۔ اگر حمید نے بھی آگے بڑھ کر اس کے سر پر ریوال کا دستہ نہ رسید کر دیا ہوتا تو شاید وہ
فریدی کی گرفت سے نکل ہی گیا تھا۔ وہ بیوٹھ ہو گیا۔ انہوں نے اپنی نایاں کھولیں اور اس کے
ہاتھ پر جکڑ کر اسے گڑھے میں ڈال دیا۔ وقتاً حمید کو پھر کچھ یاد آیا۔ اس نے جیب سے رو مال
خال کرا سکے منہ میں ٹھوٹ دیا اور فریدی کے رو مال سے اس کے ہونتوں پر پیٹی سی باندھتا ہوا بولا۔“

تھا۔ یہ صحن دارے کی ٹھکل میں تھا۔ جس کے چاروں طرف گلری تھی اور گلری کے بعد برآمدے میں پھر کمروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جن کے درمیان کئی طویل راہداریاں تھیں۔ اگر کوئی کمروں کی چھٹ پر سے صحن کی طرف دیکھتا تو وہ اسے ایک وسیع کنوں معلوم ہوتا۔

تاروں کی وحدتی روشنی نے صرف صحن بلکہ برآمدوں کو بھی نیم تاریک کر دیا تھا اور فریدی کو وہ دونوں آدمی صاف نظر آ رہے تھے۔

”چیچھے ہو.....!“ یہی نسوائی آواز پھر سنائی دی اور فریدی کو دفعتاً اس لڑکی کی آواز یاد آگئی جو اسے اور حمید کو چکار دے کر رانسیٹر نکال لے گئی تھی۔

”میں جانتا ہوں ریوال اور خالی ہے۔“ ایک مرد کی آواز آئی۔ لیکن وہ بھی انگریزی ہی میں بولا تھا اور اس کا لبچ بھی غیر ملکی ہی تھا۔

”چیچھے ہو.....!“ وہ پھر جتنی تھوڑے وقفے کے بعد کھڑکھڑا ہٹ سنائی دی اور ایک فائر ہوا۔ لیکن آواز اتنی ہلکی تھی کہ کوئی کے باہر والوں نے شاید ہی سنا ہو اور وہ جیخ..... بڑی دلخراش تھی۔ شاید اس لڑکی نے مرد کا خاتمہ کر دیا تھا۔

وہ دونوں آدمی جو کھڑکی کے نیچے کھڑے تھے کمرے کے دروازے کے قریب آگئے کوئی جھپٹ کر کمرے سے نکلا لیکن ان دونوں نے اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا۔

”ریوال چین لو.....!“ ایک بولا۔

تحوڑی سی جدو جهد ہوئی اور لڑکی کے منہ سے گالیوں کا طوفان ایل پڑا۔ شاید دوسرے نے ریوال چین لیا تھا۔

”اسے کمرے میں لے چلو۔“ ایک نے کہا۔ یہ دونوں بھی انگریزی ہی میں گفتگو کر رہے تھے۔ وہ دونوں اسے اسی کمرے میں گھیت لے گئے جس سے وہ نکلی تھی اور فریدی آہستہ سے کھڑکی کے قریب آگیا۔

”روشنی کرو..... دیا سلامی جلا کر سونچ ڈھونڈھ لو.....!“ مردانہ آواز سنائی دی۔ فریدی لب طرف ہو گیا۔

پہلے دیا سلامی حلی پھر کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔

”اب اس کی روح کم از کم منہ کی طرف سے تو نہ ٹھکل سکے گی۔“

”اس وقت تم نے وہ کام کیا ہے..... خیر میں تمہیں کم از کم سورہ پے عیاشی کے لئے ضرور دوں گا۔“

”خدا آپ کے بال بچوں کو بھی عیاشی نصیب کرے۔“ حمید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ اور پھر وہ دونوں تیزی سے دیوار کے نیچے پنج۔ یہ دیوار پتھر کی تھی۔ پتھر کی بڑی بڑی سلیں جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ نیچے بنیاد سے ملی ہوئی ایک سل نکال دی گئی تھی اور ایک آدمی بے آسانی ریکٹ کر اندر جا سکتا تھا۔

”تم باہر ہی ٹھہر دو.....!“ اس نے حمید سے کہا۔ ”کوئی نکل کر جانے نہ پائے۔“

”ایسی بات پر ایک گندی سی مشیل یاد آ رہی ہے۔“ حمید بھتنا کر بولا۔ ”مگر..... خیر..... میں اسے دہراوں گا نہیں..... ممکن ہے اسی وقت ٹھہرات نصیب ہو جائے۔“

فریدی اسے باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہ ایک تاریک راہداری میں تھا۔

چونکہ دن ہی میں اس نے یہ عمارت اچھی طرح دیکھ لی تھی اس لئے اسے یہ معلوم کرنے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ کوئی کے کس حصے میں ہے۔ پوری عمارت تاریک پڑی تھی اور کہیں بھی کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے رسول کے جو تے پہن رکھے تھے اس لئے وہ قدموں کی آواز پیدا کئے بغیر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چوک پڑا۔ ممکن ہے کہ وہ محض واہمہ رہا ہو۔ کیونکہ اس نے دبی سی نسوائی جیج سی تھی لیکن یہ معلوم کرنا دشوار تھا۔ کہ آواز کھڑ سے آئی تھی۔

راہداری سے نکل کر وہ ایک گلری میں آیا۔ پھر بڑے ہال کی طرف مڑھی رہا تھا کہ اسے پھر وہی جیج سنائی دی۔ اس بار اس نے آواز کا راخ معلوم کر لیا۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے نیچے ”آدمی کھڑے کمرے کے اندر جھاٹک رہے تھے اور وہ آواز اسی کمرے سے آئی تھی۔ فریدی قریب ہی کے ایک ستوں کی آڑ میں ہو گیا۔

یہ عمارت مغربی اور مشرقی طرز کا ایک دلش امڑاج تھی۔ باہر سے تو وہ ایک خالص مغرب طرز کی عمارت معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے اندر بھی صحن تھا اور اسے بڑی خوبصورتی سے بنایا گا۔

اور پھر فریدی نے وہ منتظر دیکھا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”نشہری بھیڑی ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑی بڑیا۔

وہ لڑکی حقیقتاً عین تھی جس نے اسے اور حمید کو الٹو بنایا تھا۔ وہ دونوں آدمی کافی قوی ہیکل اور خونخوار چہروں والے تھے۔

”لاو نکالو..... کیا لے جا رہی تھیں۔“ ان میں سے ایک بولا۔ وہ دونوں اس لاش کی طرف سے قطعی لاپرواہ نظر آ رہے تھے، جوان کے چہروں کے قریب ہی پڑی تھی۔ فریدی کو اس کے پیور صاف نظر آ رہے تھے۔

”میں تم سے بالکل خائف نہیں ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔

دونوں زور سے ہٹنے اور پھر دوسرا بولا۔ ”لڑکی..... ہم نہیں چاہتے کہ تمہیں نشانہ کریں۔ تم خود ہی نکالو۔“

”میں کچھ نہیں لے جا رہی ہوں۔ یہ مجھے زبردستی بیہاں پکڑ لایا تھا۔“ لڑکی لاش کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

دونوں نے پھر تھہہ لگایا۔

”یہ کون ہے؟“ پہلے نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“

”ہم جانتے ہیں..... اور تم بھی جانتی ہو۔۔۔ مگر بے بی تم کون ہو اور کس کے لئے کام کرتی ہو؟“

”تم لوگ نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ میں نے ایک ایسے آدمی کو گولی ماری ہے جس نے مجھ پر مجرمانہ تمثیل کیا تھا۔“

”لاو نکالو وہ ڈارزی۔“ پہلا گرج کر بولا۔ ”تم جانتی ہو کہ تم نے شلار کو قتل کیا ہے۔۔۔ تب بھی جانتی ہو کہ شلار نے پچھلی رات کو اسی ڈارزی کے لئے پو فیر کو قتل کیا تھا۔ چلو بناو کرم کس کے لئے کام کر رہی ہو؟“

”تم دونوں کا دماغ شراب ہو گیا ہے۔“ لڑکی جھلا کر بولی۔

”چلو ڈک جلدی کرو۔“ پہلے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ اور بھی ہوں۔“

”وہ اندر نہ آ سکتیں گے۔ جیک دل پر اکیلا بھاری رہے گا۔ چلو لڑکی۔ نکالو جلدی۔۔۔ تم بہت خوبصورت ہو۔ ہم زبردستی نہیں کریں گے۔“

”غفتگو فریدی نے اپنی پشت پر قدموں کی آوازیں سنی اور کھڑکی سے ہٹ کر برابر والے کمرے میں گھس گیا۔ جو تاریک تھا۔ آنے والے چار تھے ان میں سے ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔

”ہینڈز اپ۔۔۔!“ دوسرے لمحے میں فریدی نے ایک گرد جار آواز سنی اور ساتھ ہی لڑکی کا تھہہ بھی کمرے میں گنجائے۔

”اچھا نہرے بھیڑیو۔“ اس نے تیز آواز میں کہا۔ ”اگر پیچان کئے ہو تو پیچان لو۔۔۔ میں نہیں کے لئے کام کر رہی ہوں۔“

فریدی کا سر چکرنے لگا۔ وہ حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آخر یہ چاروں کڈھر سے آئے۔ ظاہر ہے کہ اس نقب کے علاوہ کوئی اور راستہ اندر آنے کا نہیں تھا۔۔۔ کیا حمید؟ کیا یہ اسے ختم کر کے آئے ہیں؟ اس کا دل شدت سے ڈھر کر رہا تھا۔۔۔ لیکن وہ وہاں سے بہت نہ سکا۔۔۔

معاملہ کسی ڈارزی کا تھا جس کے لئے پو فیر قتل کا گیا تھا۔

فریدی نہیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اپاٹک مار پیٹ اور دھول دھپے کی آواز سنائی دی۔ کسی نے چیخ کر کہا۔ ”ایٹھا۔۔۔ تم نکل جاؤ۔“

فریدی کمرے سے برآمدے میں گھس ک آیا۔ صحن میں وہ سب ایک دوسرے پر بل پڑے تھے اور لڑکی تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی برآمدے کی طرف آ رہی تھی۔ فریدی دیوار سے چپک گیا

چیکھی وہ اس کے قریب پہنچا وہ تیزی سے آگے جھکا۔ پھر اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا اور

”سرا بلاوڈ کے اندر۔۔۔ اس نے ڈارزی نکال کر اپنی جیب میں ڈالی اور لڑکی کو کمر پر لاد دیا۔ یہ سب اتنی پھر تھی سے ہوا کہ لڑکی اپنی گلوخلاصی کے لئے ہاتھ پیر بھی نہ ہلاکی۔ اس نے اس کا منہ

اپنی لٹک دبارکھا تھا۔

اوپری منزل پر پہنچ کر اس نے اسے نیچے اٹا را۔

حمدید وہ پندرہ سلسلے سپاہیوں کے ساتھ برآمدے میں موجود تھا۔ اس دوران میں اتفاق سے پولیس کی ایک گٹھی لاری بھی آگئی تھی اور اس سے بھی کچھ مدل گئی تھی۔ وہ سب اندر داخل ہوئے مگر صحن میں نہ آئا تھا۔ انہوں نے نارچیں روشن کیں۔ دو آدمی فرش پر اونٹھے پڑے دکھائی دیئے۔ ان کے منہ سے خون بہر رہا تھا اور چیرے نیلے پڑے گئے تھے۔ یہ وہی دلوں تھے جنہوں نے لڑکی کو پکڑا تھا۔ وہ چاروں انہیں بے دم کر دینے کے بعد شاید اس خیال کے تحت نکل گئے تھے کہ لڑکی بخفاضت اپنے ٹھکانے پہنچ گئی ہو گی۔

فریدی ان دلوں کو حرastت میں لینے کے لئے کہتا ہوا اپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔
حمدید بھی اس کے ساتھ تھا۔

”میرے بعد آنے والے چار آدمی نہ جانے کہہ سے آئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”اسی طرف سے جہاں آپ نے مجھے کھڑا کیا تھا۔“ حمید بولا۔ ”میں نے انہیں راستہ تو دے دیا تھا لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ سبل کر آپ کی چلنی نہ بنا دیں۔“
”بھلا راستہ کس طرح دیا تھا.....؟“ فریدی نے کہا۔ پھر دھنٹا پوک کر بولا۔ ”ارے میں نے انہیں وہ لاش تو دکھائی ہی نہیں۔“

”کون کی.....؟“

”ھلائرکی لاش.....!“

”کیا یہاں.....!“

”ہاں.....!“ فریدی نے اپری منزل پر پہنچ کر اس کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا جس میں وہ لڑکی بند تھی۔

جیسے ہی فریدی نے نارچ کی روشنی ڈالی حمید بیساختہ اچھل کر بولا۔ ”ارے! آپ ہیں۔“
پھر اس نے بڑی پھرتی سے جھک کر اسے اٹھایا اور کانڈھے پر ڈال لیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھی۔ وہ دلوں پھر نیچے اترنے لگا۔

”ہاں کس طرح راستہ دیا تھا.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”پھر..... پھر بتاؤں گا.....!“ حمید تھوک نکل کر رہا گیا۔

”لڑکی..... اگر شور چاہا گی تو میں گلا گھونٹ کر تمہیں مارڈاں گا۔“ اس نے جھکٹے دار بجھ میں کہا۔ بہر حال ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی جسم انگریزی بول رہا ہو۔ لڑکی بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر فریدی نے اس کی دلوں کپٹیاں دبا کیں اور وہ لمہرا کر اس کے بازوؤں میں آ رہی۔ وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ فریدی نے اسے فرش پر ڈال دیا اور کمرے کے دروازے کو باہر سے بند کر کے تیسری منزل کی طرف لپکا۔ نیچے سے بدستور آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید ابھی تک ان کی کش کمش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

تیسری منزل کی چھتیں سپاٹ تھیں۔ فریدی بے تابی سے پشت والے حصے کی طرف بڑھا۔ اسے حمید کے لئے پریشانی تھی اور یہ پریشانی لختہ بـ لختہ بـ رہتی جا رہی تھی۔ اس نے نیچے جماں کر دیکھا کوئی اسی جگہ دیوار سے چپکا کھڑا تھا جہاں اس نے حمید کو چھوڑا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ کہیں وہ انہیں چاروں کے ساتھیوں میں سے نہ ہو، جو بعد میں آئے تھے۔ فریدی تھوڑی دریں تک کچھ سوچتا ہوا پھر اس نے اپنے مخصوص انداز میں آہستہ سیٹی جماں دیوار سے چپکا ہوا آدمی الگ ہٹ گیا۔ شاید وہ اپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پھر سینٹ بجائی اور نیچے سے اس کا جواب آیا۔ فریدی نے طینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے فاؤشنین پن کھلا۔ جیب سے وہ ڈائری نکال کر اس میں سے ایک سادہ ورق چھاڑا اور نارچ کی روشنی میں لکھنے لگا۔ ”فوراً پھرے والوں کی طرف جاؤ اور تین چار آدمیوں کو لے کر برآمدے میں آ جاؤ۔..... میں دروازہ کھولتا ہوں۔“

پھر وہ کوئی چھوٹی سی وزنی چیز ڈھونڈنے لگا جس سے اس کافنڈ کو پیٹ کر نیچے پھینک سکے۔ چھت پر اکھڑے ہوئے پلاسٹر کے بہت سے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے ایک اٹھایا۔

نارچ کی روشنی میں فریدی کی تحریر نیچے پہنچ گئی۔ حمید نے اسے اٹھا کر سگار لائٹر کی روشنی میں پڑھا اور پھر اسے جیب میں ڈال کر وہاں سے چل پڑا۔

فریدی تیزی سے چلی منزل پر آیا۔ ان آدمیوں کی ہاتھا پائی اور غراہٹ ابھی تک جا رہی تھی۔ فریدی ہاں سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں آیا جس کا ایک دروازہ برآمدے میں کھلتا تھا۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اسی کمرے میں آگے جہاں سے ہلاڑ کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ یہاں تاکہلو کا فرش تھا۔ انہیں ایک کونے کا ایک ناٹلی اکھڑا ہوا دکھائی دیا۔ فریدی نے خالی چکر میں شارج کی روشنی ڈالی۔ ایک زمین دوز خانہ سانظر آیا۔

”وہ بیہیں تھی۔“ اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا اور اکھڑے ہوئے ناٹلی کو پھر اس کی جگہ پر جمادیا۔ دونوں پولیس والے کمرے کے باہر تھے۔ وہ دونوں بھی روشنی گل کر کے کمرے سے نکل آئے۔

”اوماں لارڈ.....“ فریدی انپاس رتھچھا کر بولا۔ ”آج دماغ نہ جانے کہاں ہے۔ ہم اسے تو بھول ہی گئے ہیں گڑھے میں ڈال آئے تھے..... لا حول ولا قوۃ۔“

وہ بیر و فی دروازہ بند کر کے اسی نقب کے ذریعہ کوئی کی پشت پر پہنچے۔ گڑھے میں وہ آدمی پرستور موجود تھا اور اسی طرح بندھا ہوا چاروں طرف لڑکتا پھر رہا تھا۔

”زیادہ جوش نہیں میرے نہرے بھیڑیے۔“ فریدی نے کہا اور سپاہیوں کی طرف خاطب ہو کر اردو میں بولا۔ ”اے بھی اٹھاؤ۔..... اسے بحفاظت کو تو ایں تک پہنچانا تمہارا کام ہے۔ میں ایک خط دے رہا ہوں۔“

تمہوڑی دیزی بعد فریدی اور حمید مہم سروں میں سیٹی جاتے رہ کیں ناپ رہے تھے۔ ”بہر حال تین نہرے بھیڑیے بھی پکڑے گئے جن میں ان کا سر غذہ بھی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”نہرے بھیڑیے..... کیا مطلب.....؟“

”کیا یورپ کے نہرے بھیڑیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے؟“ فریدی خنے پوچھا۔ ”فریڈرک اینڈ کو.....!“ حمید نے کہا۔ ”وہ جو موئینی کو اتحادیوں کی قید سے نکال لے گئے تھے۔“

”وہی..... ان دونوں قیدیوں میں سے ایک فریڈرک ہی ہے۔“

”نہیں.....!“ حمید کے لبھے میں جیرت تھی۔

”ہاں صاحبزادے۔ مجھے جیرت ہے کہ آخر یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں اور پتہ نہیں۔“

”بیٹھے زیادہ دماغ خراب نہ ہو۔“

نیچے بیٹھ کر فریدی نے لڑکی کو بھی پولیس والوں کے پرد کرنا چاہا لیکن حمید پھیل گیا۔ فریدی کو الگ لے جا کر کہنے لگا۔ ”نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں.....؟“

”میں انتقام ضرور لوں گا۔“ حمید نے کہا۔

”پاگل ہوا ہے؟ ابے آلو..... جو کچھ تو نے سوچا ہے اسے انتقام نہیں احسان کہتے ہیں۔ کسی عورت سے انتقام لینے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس کی گود کا بچہ چھین کر اسی کے سامنے اس کی ناٹکیں جیز ڈالی جائیں۔“

”نہیں..... میں تو.....!“

”چپ رہو..... گندے..... نور.....!“

فریدی نے ہلاڑ کی لاش بھی اٹھا دی۔ وہ دونوں ابھی تک بیہوں تھے۔ البتہ لڑکی ہو شی میں آگئی تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پولیس والوں کو دیکھ رہی تھی۔

”ہیلو سوئشی.....!“ حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔ ”اس وقت خاموش کیوں ہو۔“

لڑکی نے سر جھکایا۔

”ان سب کو لے جائیے۔“ فریدی نے گھٹی لاری کے سب انپکڑ سے کہا۔ ”کڑی گرانی میں رکھنے گا۔ میں ابھی کوتولی میں آ کر مفصل روپرٹ دوں گا۔“

وہ مسلسل کا نشیبل فریدی اور حمید کے ساتھ رہ گئے۔ فریدی نے منظر اسارا واقعہ حمید کو بتا کر کہا۔ ”شاید وہ نقب بچھلی بھی رات کو لگائی گئی تھی اور ہلاڑ نے اسی کے ذریعے اندر داخل ہو کر پر فیسر کو ختم کیا تھا۔ مگر وہ کم جنت سیکریتی کون تھا..... اور کہاں غائب ہو گیا۔ انور نے ہلاڑ کو اسی سے تو گفتگو کرتے دیکھا تھا۔“

”اور وہ بڑا.....!“

”چپ.....!“ فریدی نے حمید کی بات کاٹ دی۔ ”اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔“

لیکن فریدی بدستور اٹھائے رہا۔

”کیا سوگئے؟“ حمید اسے جھوڑ کر بولا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ ڈائری ہے کیا بلا۔“ فریدی اپنے ہاتھ گرا کر بولا۔

”لیکن وہ ہے کہاں؟ میرے خیال سے اسے آپ نے ان لوگوں کو تو دیا نہیں تھا۔“

”وہ وہیں ہے جہاں پہلے تھی۔“ فریدی نہ کر بولا۔

”لیتی...؟“

”پروفیسر کی کوئی میں..... اسی زمین دوز خانے میں..... میں اتنا حق نہیں کہ اسے ساتھ لئے پھر دو..... لیکن ان کے فرشتے بھی یہ نہیں سوچ سکتے کہ وہ اب بھی وہیں ہے۔ پہنچنے والے اس میں کیا ہے۔“

نئی مصیبت

دوسرا دن بھی کے لئے تحریر تھا۔ وہ لڑکی سخت پھرے کے باوجود بھی حالات سے غائب ہو گئی تھی۔ دوسروں کی نظروں میں تو یہ معاملہ انتہائی پراسرار تھا لیکن فریدی اور حمید اچھی طرح جانتے تھے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہو گا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتے تھے۔ فریدی کے ایماء پر پھرے والے تین سپاہیوں کو حرast میں لے لایا گیا اور پھر جب ان پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا تو انہوں نے حقیقت ظاہر کر دی۔ اس لڑکی نے ان پر بھی اپنا پرانا حرب استعمال کیا تھا اور انہیں بھی جل دے کر بے داغ نکل گئی تھی۔

مقامی اخبارات کے غیر معمولی صیمے شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے تھے۔ پروفیسر درانی ہی کا قتل کم پر اسراز نہ تھا پھر اس کی دیران کوئی غیر ملکی جاسوسوں کی موجودگی اور ان کی مشتبہ

ابھی اور کتنے ہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم پھر کچھ دنوں کے لئے بہت بڑے آدمی ہونے والے ہیں۔“

”دنوں خاموش چلتے رہے۔ حمید پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”اس لڑکی کا مجھے قیامت تک افسوس رہے گا۔“

”پھر کیڑے کلبائے..... دوں گا ایک تھڑر۔“

”وہ سوروپے کب دلوار ہے ہیں؟“

فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک کار تیزی سے آرہی تھی اور اس کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی مرڑک پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دنوں باائیں طرف سرک گئے۔ کار ان کے قریب پہنچ کر اچاک بائیں طرف مرڑی اور فوراً ہی رک گئی۔ وہ دنوں اچمل کر پیچے ہٹ گئے اور ابھی سنجھنے کی نہ پائے تھے کہ کار سے کسی نے انہیں لا کار۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

ان کے ہاتھ اس طرح اٹھ گئے جیسے وہ کسی مشین عمل کے تحت اٹھے ہوں۔ چار آدمی کار سے اترے۔ پانچواں ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ ان چاروں کے ہاتھوں میں ریو اور تھے۔

”وہ ڈائری نکالو۔“ ان میں سے ایک اکھڑی اکھڑی انگریزی میں بولا۔

”وہ تو گئی۔“ فریدی نے پیساختہ کہا۔

”ان کی تلاشی لو۔“ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی نیچے اترتا ہوا بولا۔

”وقت مت بر باد کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ اس وقت تک کوتوالی کی جگہ تھیں پہنچ چکی ہو گی۔“

حمدید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کیا سمجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ چار چار ریوالوں کی نالیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لہذا اسی صورت میں کوئی چال کار گرنیں ہو سکتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ لوگ تلاشی لئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

پانچوں نے فریدی کی جاسٹلاشی لی اور پھر حمید کا جسم ٹوٹ لے لگا۔

”نہیں ہے۔“ پانچواں آدمی غرایا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔“

وہ پانچوں کار میں بیٹھ گئے اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید نے اپنے ہاتھ گردائی۔

تل و حرکت۔ ایک غیر ملکی جاسوس کی لاش دینا کے مشہور شاطر فریڈرک اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری۔ ان سب واقعات نے اخبار والوں کے لئے اچھا خاصاً مواد مہیا کر دیا تھا وہ نت نے انداز سے ان پر نہ صرف اطمینان خیال کر رہے تھے بلکہ بہت سے عجیب و غریب فیض بھی شائع کر دیتے تھے۔ لیکن گارسیاں کا کہیں تذکرہ نہیں تھا۔ اس کے متعلق فریدی، حمید اور رشیدہ اور مسلم سراج رسانی کے ذی۔ آئی۔ جی کے علاوہ کسی اور کچھ نہیں معلوم تھا۔ یہ بھی فریدی کی خوش نصیبی ہی تھی کہ اتفاق ہے گارسیاں کا ٹرانسپورٹ اس کے ہاتھ لگ گیا تھا اور وہ اس کی ساخت کے متعلق پہلے ہی سے تھوڑی بہت معلومات رکھتا تھا۔ ورنہ شاید اس کے فرشتوں کو بھی گارسیاں کی ہواں کی نہ لگتی۔ کیونکہ وہ جاسوس جو اس کے خلاف نہ رہ آزمائتے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ پچھلی رات کو فریڈرک اور اس کے ساتھی نے اس بڑی سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس کے لئے کام کر رہی ہے ممکن ہے کہ مرنے والے ہلاکر بھی اس کا علم نہ رہا ہو کہ وہ کس سے لڑ رہا ہے۔

فریڈرک اور اس کی دوسرے ساتھی کی حالت اتر تھی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ فیز نہ سکیں گے۔ ان کا تیرسا ساتھی جسے فریدی اور حمید نے باندھ کر گڑھے میں ڈال دیا تھا کوئی اسی بات نہ بتا سکا جس سے چودھری یاد رانی کے معاملات پر روشنی پڑتی۔ وہ برا بر بھی کہے گیا کہ اسے اصل واقعات کا علم نہیں تھا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فریڈرک ان کا سرگرد ہوا۔ اس کے گردہ کے پانچ آدمی ابھی تک آزاد تھے۔ لیکن وہ ان کی شاندیہ نہ کر سکا۔ پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے نادانست طور پر یہ بات ظاہر کر دی کہ ٹرانسپورٹ وں پر نہیں جانے والے عجیب و غریب اشارات اسی کے گردہ والوں سے تعلق رکھتے تھے۔

پروفیسر درانی کا سیکریٹری ابھی تک لاپتہ تھا۔ اس کے متعلق تو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ اس کا تھا کہ وہ پروفیسر درانی کے پاس کب سے تھا۔ ممکن تھا کہ عامرہ اس پر روشنی ڈالتی لیکن وہ بھی اپنا دماغی تو ازان کھو بیٹھی تھی۔ فریدی نے اپنی اکیم کے ماتحت اسے ذی۔ آئی۔ جی کے یہاں پہنچا دیا تھا اور وہ اب ذہنی امراض کے ایک ماہر کے زیر علاج تھی۔

فریدی اور حمید دن بھر مصروف رہے۔ بوکی کے نکل جانے کا انہیں بے حد افسوس تھا۔ حمید اس مسئلے پر بار بار اسے چیزیں رہا تھا۔

”جناب والا! اگر آپ میرے مشورے پر عمل کرتے تو یہ دن دیکھانا نہ نصیب ہوتا۔“ وہ بار پار بھی جملہ دہراتا تھا۔

شام کو پھر انہوں نے پروفیسر درانی کی کوئی کارخ کیا۔ فریدی اس ڈائری کے لئے بڑی طرح بے چین تھا۔ دن بھر وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

جبکہ ہی اس نے کوئی میں قدم رکھا پچھلی رات کے سارے واقعات ایک ایک کر کے اسی آنکھوں کے سامنے آگئے۔ اس کمرے کے دروازے جس میں اس نے ڈائری کوئی تھی اب بھی کھلے ہوئے تھے۔ فریدی نے آگے بڑھ کر فرش سے ٹائیل ہٹایا اور پھر..... اگر وہ یہ لفڑت چھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس زمین دوز خانے سے پھن کاڑھ کر اچھلے والے سانپ نے اسے ڈس بھی لیا تھا۔ حمید تو بوكھلا کر میز پر چڑھ گیا۔ دونوں حیرت سے آنکھیں چھاڑے اس سانپ کو گھوڑر ہے تھے، جو خانے سے نکل آنے کی جدوجہد میں مشغول تھا۔

”یار شاید پھر چوت ہو گئی۔“ فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمد کچھ نہ بولا۔ سانپ کو مار ڈالنے کے بعد وہ اس خانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ڈائری غائب تھی۔ البتہ تھہ میں انہیں ایک لفافہ دکھائی دیا۔ فریدی نے اسے نکالا اور اسی کا نام تحریر تھا۔ پھر وہ اور حمید لفافے سے برآمد ہونے والے خط پر جھک پڑے۔

”مسٹر فریدی!

اپنے دو چار معمولی کارناموں پر پھول جانے والے عموماً احمق ہوا کرتے ہیں۔ تم خود کو دنیا کا زیریک ترین آدمی سمجھنے لگے تھے اس لئے تمہارے لئے ایک دوسری بہکی سی چھپت جھویز کی جاتی ہے اول تو میں بھی سمجھتی ہوں کہ تمہیں یہ سانپ ہی نہ چھوڑے گا لیکن اگر بد قسمی سے فیک گئے تو یہ خط دیکھ کر ضرور سوچو گے کہ وہ جنمیں ڈس بھی لیتا تو بہتر تھا۔ میں تمہیں یہ تعریت نامہ مخفی اس لئے لکھ رہی ہوں کہ مجھے بے وقوف آدمیوں سے دیکھی ہے اور پھر تم تو صرف یہ وقوف ہی نہیں بلکہ کافی حسین بھی ہو۔ جاہلوں کی سی شجاعت بھی رکھتے ہو۔ بہر حال میں جب تک تمہارے دلکش میں ہوں تم میں ضرور دیکھی لیتی رہوں گی..... اگر مجھ سے مٹا چاہو

”غیر..... پا ایسا حادثہ نہیں کہ ہم میں سے کسی کا داماغ چل جائے۔“ حمید نے فریدی کو کوٹا۔
 ”آخراں ڈائری میں کیا تھا.....؟“ فریدی چوک کر بڑا لایا۔
 ”ڈائری میں عموماً بالہوا کرتے ہیں۔“
 فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اسٹریٹ گک کی طرف متوجہ ہو گیا۔
 ”یہ خط بھی مجھے خالی از علمت نہیں معلوم ہوتا۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”یعنی یہ محض
 مذاق نہیں ہے۔“

”یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ آج رات چاند ماری کے میدان میں ضرور تشریف لے
 جائے گا۔“

”ازادہ تو بھی ہے۔“

”یعنی اس کے الفاظ میں آپ اپنی جاہلائیہ شجاعت کا مظاہرہ کریں گے۔“
 ”یہی کچھ لو۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”اس نے آپ کے حسن کی بھی تو تعریف کی ہے۔“

”اور تم اس لئے نہ جاؤ گے کہ وہ تمہیں بارش میں بھیگا ہوا الوبھی ہے۔“

”غیر..... میری بات تو کیجھ ملت۔“ حمید نے کہا۔ ”میں کہیں بھی آکھ بند کر کے کو دنے کا
 قائل نہیں ہوں۔“

”تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔“

”یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے اس ڈائری کے متعلق کوئی روپورٹ نہیں دی تھی ورنہ اور
 زیادہ خفت اٹھانی پڑتی۔“

”آپ کو اسے دہاں چھپانا ہی نہ چاہئے تھا۔“ حمید نے کہا۔

”حققتاً میں اس وقت یہ بھی بھول گیا تھا کہ مقابلہ گارسیاں سے ہے۔“

”ماریئے گولی۔“ حمید اکتا ہٹ کا انہصار کرتا ہوا بولا۔ ”مجھے اب اس کیس سے بالکل دلچسپی
 نہیں رہی۔“

”کیوں.....؟“

تو چاند ماری کے میدان میں آج رات کو بارہ بجے مل سکتے ہو۔ میں وہاں تھا ہوں
 گی۔ یہ لکھنا غضول ہے کہ تم بھی تھا آنا..... غیر..... پوشیدہ طور پر کم از کم پدرہ
 میں آدمی ضرور ساتھ لانا..... یہ تو تم نے دیکھی ہی لیا کہ میں تم اکیلے کے میں کا
 روگ نہیں۔ تمہاری جاہلائیہ شجاعت سے تو قع ہے کہ وہ تمہیں آج رات کو چاند ماری
 کے میدان میں ضرور لائے گی۔ اپنے اس احص تین ساتھی کو ہرگز نہ لانا ہے دیکھ
 کر مجھے بارش میں بھیکے ہوئے الویاد آ جاتے ہیں۔

”وہی لوکی“

آخری جملے پر حمید نے بُرا اسمانہ بنایا اور فریدی کو گھومنے لگا جس کے پھرے پر غصہ کے
 آثار کی بجائے مسکراہٹ تھی۔

”یہ سب کچھ آپ کی بدولت ہوا۔“ حمید بھٹا کر بولا۔ ”اگر آپ نے اسے میرے پرورد
 کر دیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔“

”چھوڑو یار.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس خط نے مجھے نہ جانے کہاں سے کہاں
 پہنچا دیا۔ خدا کی قسم اگر یہ خط اسی لڑکی کا ہے تو مجھے اس پر پیار آنا چاہئے۔“

”اور اگر اس کے باپ نے لکھا ہے تو مجھے پیار آنا چاہئے۔“ حمید جل کر بولا۔
 ”آؤ چلیں.....!“ فریدی نے کہا۔

”میرا تو میں دن ہونے کو دل چاہتا ہے۔“
 ”یار ہڑاً بھی..... دل چھوٹا مت کرو۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم بھیکے ہوئے القطعی نہیں
 معلوم ہوتے۔“

”لیکن اس نے آپ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے حرف بھر مجھے اتفاق ہے۔“

”مجھے فی الحال تم سے اتفاق ہے۔“ فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔
 ”خی بستہ شام ہو لے ہو لے سیاہیوں میں تخلیل ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں کیڈی لاک میں
 بیٹھ گئے لیکن فریدی اس کا تلقینہ کر سکا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔

کافی دیر تک وہ یونہی بلا مقصد ادھر ادھر مارے پھرے۔

”اتنی شاندار تکست کی بعد بھی آپ یہ سوال کرتے ہیں۔“

”یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ تم اسے تکست کس طرح کہہ سکتے ہو جبکہ ہمیں یہ تک نہیں معلوم کہ اس سارے ہنگامے کا مطلب کیا ہے؟ وہ چیز جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اس کی اہمیت کیا تھی؟ ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائری ہمارے لئے قومی فضول رہی ہو..... اس کے بھی امکانات تھے کہ اسے پالیٹے کے بعد بھی ہمیں اُلو بنا پڑتا۔“

حید بظاہر فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ فریدی بولتا رہا۔ ”ابھی تک ہم بالکل تاریکی میں ہیں۔ مختلف محاذات ایک دوسرے سے الجھ کر رہے گئے ہیں اور ہم ان میں سے کسی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“

”خیر..... اسے چھوڑ دیئے۔“ حید نے کہا۔ ”یہ بتائیے کیا واقعی آپ چاند ماری کے میدان میں جائیں گے؟“

”ہاں.....!“ فریدی کے لجھے میں خود اعتمادی تھی۔

”یہ کہاں کی ہلنڈی ہے۔ میں نے اس قسم کے جیچے صرف بعض بڑے ہوئے جاسوسی ناولوں میں پڑھے تھے۔ بہرام کا ڈھرا یا ڈھرے کا بہرام وغیرہ قسم کے ناول ایسے خلط سے بھرے پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی یہ نہیں سنائے کہ کسی مجرم نے سراغ رسماں کو جیچے کیا ہو۔“

”میں نے بھی نہیں سنائے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

حید استقہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی پھر بولا۔ ”ای لئے میں وہاں ضرور جاؤں گا۔“

”خیر اگر آپ کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہے تو کوئی آپ کو اس سعادت سے محروم نہیں کر سکتا۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھر پہنچ کر وہ بھی خاموش ہی رہا۔ کھانے سے قبل اس نے ڈی آئی بھی سے فون پر گفتگو کی، جو پروفیسر درانی کی لڑکی کے متعلق تھی۔ اس کے بعد اس نے کوتولی بھی فون کیا تھا اور جلد لش سے کچھ دیر تک فریڈریک اور اس کے ذمی ساتھی کے بارے میں پوچھ چکرتا رہا تھا۔ پھر حید کے استفار پر اس نے بتایا تھا کہ ان دونوں کی حالت قابل

اطمینان نہیں تھی۔ ان سے اس ہنگامے کی وجہ بھی نہیں معلوم ہو سکی۔

وہ بحثتے ہی وہ حید کے روکنے کے باوجود بھی کہیں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

”خدا.....!“ حید نے کہا۔ ”وہاں جانے سے پہلے یہ تو سوچ لجھے کہ آخر چاند ماری کا میدان ہی کیوں؟ شہر کے گردواہ میں کتنی اور سنسان علاقے بھی تو ہیں۔“

”میں یہ سوچ کر نہیں جا رہا ہوں کہ وہاں طوہ ملے گا۔“ فریدی بولا۔ ”چاند ماری کے میدان کے انتخاب کے مقصد سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ اگر کوئی ایسا چلنے کی نوبت آجائے تو گرد و نواح کی آبادی والے اسے کسی فوجی مشق سے تعبیر کر کے ہاں جائیں۔“

”پھر بھی آپ جا رہے ہیں۔“ حید نے کہا۔

”اور سنو.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس اللہ واسطے کی دعوت کا مقصد بھی تمہیں بتا دوں۔ اس طرح وہ اس بات کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ میں نے اس ڈائری کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں اور میں نے اس دعوت سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس ڈائری میں ان کے متعلق نشان دہی موجود ہے لہذا اگر میں وہاں نہ گیا تو وہ بھیں بھیں گے کہ میں ان کے اصل ٹھکانے سے واقف ہو چکا ہوں اور اگر انہوں نے یہ سمجھ لیا تو ہم کسی وقت بھی ٹھکانے لگانے جا سکتے ہیں۔“

”تو اکیلے جانا کہاں کی ہلنڈی ہے۔“ حید نے کہا۔

”یہ تم سے کس نے کہا کہ میں اکیلے جا رہا ہوں۔“

”پھر آپ نے مجھے تیار ہونے کے لئے کیوں نہیں کہا۔“

”اس وقت کے پروگرام میں تم نہیں ہو۔“ فریدی نے کہا اور سکار سکانے لگا۔

”کیوں.....؟“

”بس یونہی..... جتنا کہا جائے اتنا ہی کرو۔“ فریدی جھنگلا کر بولا۔

حید نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اب بوناٹھیک نہیں۔ فریدی کے مراجع سے وہ اپنی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اسی کے انداز گفتگو سے اسے معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کس موڑ میں ہے اور کہاں تک کیا برداشت کر سکتا ہے۔

ایک چیز بھی نہیں جو اپنی نویسیت کے اعتبار سے یقیناً آخری چیزیں تھیں۔ وہ پڑتے چلتے رک گیا۔ اس کی زندگی میں شاید ہی کبھی کوئی ایسا واقعہ آیا ہو جب اس نے اتنی شدت سے بے بی کیوں کی ہو۔ اسے یقین تھا کہ فریدی بھی یہیں کہیں موجود ہے۔ لیکن وہ کہی کیا سکتا تھا۔ اور ہرے میں آگے بڑھنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ اچاک اس کے ذہن میں ایک نئی تدبیر نے اس اخراجا۔ کیوں نہ وہ شہر واپس جا کر اپنے ساتھ امداد لے آئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ نیا بھی فضول معلوم ہوا اتنی دیر میں واقعات نہ جانے کوں سارخ اختیار کریں ہو سکتا ہے کہ اس بات تک یہ ہنگامہ ہی فرو ہو چکے۔ ایسی صورت میں مفت کی نداشت ہاتھ آئے گی۔ اسے پھر فریدی کے اس جملے کا خیال آیا جس کے مطابق وہ یہاں تھا نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنے راستہ دو ہی ایک آدمی لایا ہو۔ تو۔۔۔ تو۔۔۔

”جہنم میں گئے سب.....!“ وہ چھنجلا ہٹ میں اپنے سر جھلک کر بڑھ رہا۔ پھر تھوڑی دریک بکھر سوچتا رہا۔ دھنٹا اس نے موڑ سائیکل کے دامنی طرف اگی ہوئی جھاڑیوں میں دھکیل دیا اور فرشتہ میں اتر گیا۔ سڑک سے کچھ ہی دور پر دونوں طرف ڈھلوان میدان تھے۔ انہیں میدانوں کا سلسہ آگے چل کر ایک ہو گیا تھا۔ چاند ماری کا اصل میدان حقیقتاً ہی تھا۔ ویسے تو یہ پورا اعلاء کی اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔

حید کے ذہن میں کوئی واضح ایکیم نہیں تھی۔ وہ یونہی بلا مقصد ڈھلوان میدان میں اترتا رہا تھا۔ دھنٹا اس نے محسوں کیا کہ پانچ چھنٹ سے کوئی فائز نہیں ہوا۔ وہ یہاں تھا وہیں رک لے۔ اسکی کافی پر بندھی ہوئی ریٹیم ڈائل کی گھڑی ساڑھے بارہ بجارتی تھی۔ پندرہ منٹ گذر کا اور وہاں بدستور ستاثرا رہا پھر اس نے چاند ماری کے میدان میں متعدد نارچوں کی روشنیاں لیں جو ادھر ادھر گردش کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی غائب ہو گئیں اور تاریکی نائے سے ہتھوڑے روشنیاں کرتی رہیں۔ حید نے پھر گھڑی دیکھی۔ ایک نئے رہا تھا۔ سردی نے اسے بدھاں لرکھا تھا اور اسے اپنی حماقت پر غصہ آرہا تھا کہ اول تو وہ یہاں آیا ہی کیوں اگر آیا تھا تو اتنی دیر اور تمہرا کیوں رہا۔

وہ واپسی کی لئے مڑھی رہا تھا کہ اسے کچھ دوز پر ایک آدمی دکھائی دیا جو غالباً کسی دوسرے

فریدی کے جانے کے بعد وہ پندرہ بیس منٹ تک اس جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ اس کے سراغ رسانی کے تجربات میں شاید یہ پہلا کیس تھا جو اتنی واردات ہو جانے کے بعد بھی اب تک معہ بنا ہوا تھا۔ وہ سوچتا رہا اور کیس کے خاص خاص پہلو اس کے ذہن میں اجاگر ہوتے گئے۔ پروفیسر چودھری کے قتل کی دریافت۔۔۔ اسی رات کو پروفیسر درانی کا قتل۔۔۔ اور پھر دوسری رات کو ایک ایسے غیر ملکی جاسوس کا قتل جو ملک میں باضابطہ طور پر داخل ہوا تھا۔۔۔ فریدرک کی گفتگو کے حوالے سے اسی کا پروفیسر کا قاتل ثابت ہوتا۔۔۔ پورپ کے خنثوار تین آدمیوں (نہرے بھیڑوں) کی ملک میں موجودگی۔ ان کا داخل تو قلمی غیر قانونی طور پر ہوا تھا کیونکہ ان کا کہیں بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکا۔۔۔ کیا یہ اتنا کشت و خون محض اس ڈائری کے لئے ہوا تھا؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہو سکتا تھا تو پھر اس ڈائری کی اہمیت کا سوال بھی تدریتی تھا کیا وہ اس مقصد کی کوئی گشادہ کڑی تھی جس کے حصول کے لئے اتنا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔

اچاک حید نے چوک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیراہ نئے ہے تھے۔ حالانکہ پچھے دری قبیل اس نے فریدی کی بات مان لی تھی لیکن اب وہ اسے تھا خطرے کے منڈ میں جاتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے اٹھ کر سیاہ سوٹ پہننا، روپا اور جیب میں ڈالا اور گیراج سے موڑ سائیکل کھال کر چاند ماری کے میدان کی طرف روانہ ہو گیا۔

تیز اور سرد ہوا ہڈیوں میں گھستی معلوم ہو رہی تھی۔ ہاتھ ہینڈل پر اس طرح جمع ہوئے تھے کہ وہ بھی برف ہو گئے ہوں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں قیامت بک ان پر سے نہ ہٹا سکے گا۔ فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے تو قبول کرنے تھے لیکن دل بھی کہہ رہا تھا کہ اس کا یہ اندام داشتمانہ نہیں تھا۔ اس نے یہ تو کہا تھا کہ وہ تھا نہیں جائے گا لیکن آخروہ اسے کیوں نہیں لے گیا۔ جیسے جیسے وہ اس موضوع پر سوچتا اس کی الجھن بڑھتی جاتی۔

چاند ماری کے میدان سے آدھے میل ادھر ہی اسے موڑ سائیکل روک کر مشین بند کر دینی پڑی۔ کیونکہ وہ رانفلوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا ذہن کوئی فیصلہ نہ کر سکا لیکن وہ غیر ارادی طور پر موڑ سائیکل کو دھکیلہ ہوا پیدا آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اسے رائفل کے دہانوں سے نکلنے والے شعلے صاف نظر آنے لگے۔ اس نے دو

نہی کہ راستہ رک گیا تھا۔ اس نے بریک لٹا کر موڑ سائیکل کو سڑک کے بینے اتارنے کی کوشش کی لیکن تین ایسے آدمیوں نے اس کا راستہ روک لیا جن کے ہاتھوں میں فاٹھلیں تھیں اور انہوں نے ان کی ناٹلیں سیدھی کر کر کی تھیں۔ حمید کو رکنا پڑا۔

”مشین بند کر دو.....!“ ایک نے انگریزی میں کہا۔ لہجہ غیر ملکی تھا۔ حمید نے مشین بند کر دی لیکن سیٹ پر بدستور جمارا۔

”بچے اتراؤ۔“

”کیوں..... کس لئے؟ میری جیسیں بالکل خالی ہیں۔“ حمید نے لاپرواںی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

دفعتاً وین کا دروازہ کھلا اور اندر ہرے میں حمید کو کسی عورت کے گھوکھریا لے بال دھکائی دیے۔ پھر ایک بخی سی تاریخ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔

”یہ وہ نہیں۔“ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ”لیکن یہ اس کا ساتھی ہے۔“

حمدید نے آواز صاف بیچان لی اور پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نادانستگی میں کن لوگوں سے آبھڑا ہے۔

”تو پھر.....؟“ ان میں سے کسی نے پوچھا۔

”وہ بھی سیہیں کہیں ہو گا۔ جلاش کرو۔“ لڑکی تھامانہ لبھ میں بولی۔ ”اس کے ہاتھ پر باندھ کر دین میں ڈال دو۔“

”بچے اتراؤ۔“ ایک نے آگے بڑھ کر رائفل کا کندہ حمید کے بینے میں مارا۔ حمید چپ پاٹ اتر آیا اور موڑ سائیکل ایک طرف گرگئی۔ ان میں سے ایک نے اس کے دفونوں ہاتھ اس کی بٹت پر باندھ دیئے۔

”اندر چلو.....!“ اسے گردن سے پکڑ کر دین میں دھکیل دیا گیا اور پھر اس کے دفونوں پر بیٹھ دیئے گئے۔

”تم لوگ چلو.....!“ لڑکی نے کہا۔ ”میں اسے دیکھتی ہوں۔“

”ضھولو ہے مری جان۔“ حمید پڑے پڑے بڑی بڑی۔ ”تمہارے فرشتے بھی اسے نہ

آدمی کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے تھا۔ حمید کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ نیتِ دراصل تعاقب کی تھی، پچھہ دور تک اس کے پیچے چلتا رہا۔ پھر دھنعتاً اس نے اپنے سردی سے سکٹے ہوئے ذہن کو ایک سوتی سی گالی دی اور ریو اور نکالا اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

”اپنے دفونوں ہاتھ اور اٹھاؤ۔“ اس نے دانت کٹکٹانا کر کھاٹنے والا رک گیا۔ حمید نے پھر اپنا جملہ دہرا�ا۔

”میرے دفونوں ہاتھ پھنسنے ہوئے ہیں۔“ اس نامعلوم آدمی نے جواب دیا اور حمید بے اختیار اچھل پڑا۔ کیونکہ آواز فریدی کی تھی۔

”آپ..... یہ..... لکھا.....؟“ حمید ہکلایا۔

”ایک لاش.....!“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا؟“

”لاش.....!“ حمید دانت کٹکٹانا کر بولا۔

”محافت نہیں..... چپ چاپ چلے جاؤ۔“

”تو کیا میں جھک مارنے کے لئے آیا تھا۔“ حمید کو بھی غصہ آگیا۔

”بیقینا..... میں نے تمہیں منع کر دیا تھا۔“

حمدید یک لخت مرزا اور جھلاہست میں اسے اس کا بھی خیال نہ رہا کہ وہ چلنے کے بجائے درڑ رہا ہے۔ سردی نے پہلے ہی دماغ خراب کر لکھا تھا اس پر سے غصہ۔

اوپر آ کر اس نے جھاڑیوں سے موڑ سائیکل نکالی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ پھر اس نے ایک بار بھی پیچے مڑ کر دیکھنے کی رحمت گوارانہ کی۔ اس سے پہلے بھی اسے فریدی پر اتنا شدید غصہ نہیں آیا تھا۔ غصے کی بات بھی تھی۔ وہ تو اتنی دریکھ سردی سے سکٹتا اور انکھوں کی آوازیں سدا رہا اور آپ بدقتنام ملے بھی، تو وہنس جاتے ہوئے۔

”سب کچھ جہنم میں جائے۔“ حمید دانت کٹکٹانا کر بڑی بڑی اور اس کے دکھتے ہوئے ہاتھوں کی گرفت پہنڈلر پر اور مضبوط ہو گئی۔ لیکن دوسرا الحاد اس کے لئے حد درجہ سنبھلی خیز تھا۔ موڑ سائیکل کی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں اسے ایک بڑی سیاہ وین دکھائی دی جو سڑک پر اس طرح آڑی کمری

پاسکیں گے۔

”مشت اپ.....!“ کسی نے اس کے منہ پر تھٹھا مارا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔“ حمید جیخ کر بولا۔ ”وہ آدمی نہیں بھوت ہے۔“

”شور مرٹ چاؤ۔“

دوسرا تھٹھا پڑا۔

حمدید دانت پیش کر رہا گیا۔ اس وقت اس کے علاوہ وہ اور کرہی کیا سکتا تھا۔

مُرے پھنسے

حمدید کا بقیہ وقت بیہوٹی کی حالت میں کثا..... ایک تو سردی کی شدت، دوسرے اس کی نہ رکنے والی زبان کے جواب میں تھٹھوں کی بارش اور پھر جب ان لوگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ ”کسی طرح چپ نہ ہو گا تو انہوں نے اس کے منہ میں کپڑا انہوں دیا۔ کچھ دیر تک توہ اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ اسے گھنن کا احساس نہ ہونے پائے لیکن اس کا ذہن جلد ہی جواب دے گیا۔ دوسری بار جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوں کیا جیسے وہ اوپر اٹھ رہا ہو۔ چاروں طرف کچھ اس قسم کی تاریکی تھی کہ وہ گھبرا کر اپنی آنکھیں چھاڑنے لگا۔ کہیں وہ اندازا تو نہیں ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بھی سمجھتا رہا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے لیکن پھر غور کرنے پر محسوں ہوا کہ ”سننا ہٹ اس کے ذہن کی نہیں ہو سکتی تھی اور اوپر اٹھنا محض وقتی احساس نہیں تھا۔ سننا ہٹ بینا کسی مشین ہی سے پیدا ہو رہی تھی اور وہ ایک کھردے فرش پر چت لیٹا اور کی طرف اٹھ رہا تھا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ گزر جانے کے باوجود بھی تاریکی میں کمی نہ ہوئی۔ اگر حمید کی کلامی، انہیں میں چکنے والے ڈائل گھڑی نہ ہوتی تو اسے یقین ہو جاتا کہ وہ اندازا ہو گیا ہے۔“

کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس کا جسم چڑے کے تمہوں سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کا سر ایک بار پھر چکرا گیا۔ کیا وہ کسی ہوائی جہاز پر تھا.....؟ مگر ہوائی جہاز..... اسے الجھن ہونے لگی۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار ہوائی جہاز پر سفر کر چکا تھا سابقہ تجربات کی بنا پر وہ کس طرح سمجھ لیتا کہ وہ کسی جہاز پر ہے۔ ہوائی جہاز کی آواز کا نوں کے پردے چھاڑ دیتی ہے۔ لیکن یہاں تو صرف ایک ہلکی سمنا ہٹ تھی اتنی ہلکی کہ حمید پہلے اسے اپنے دماغ ہی کی سمنا ہٹ سمجھا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا گھڑی کا ڈائل چک رہا تھا لیکن ہاتھ اسکی پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ وقت دیکھ سکتا۔ اس نے دو ایک بار اپنے جسم کو جیٹھیں دینے کے لئے زور لگایا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد نے اسے بالکل تھکا دیا اور اس نے مٹھاں ہو کر آکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنی اس مصیبت کا ذمہ دار فریبی کو تھہرا رہا تھا۔ اگر اس نے اس سے اس طرح گفتگو نہ کی ہوتی تو وہ جھلا کر کبھی اتنی بدحواسی میں نہ بھاگتا۔

پھر اس کا ذہن اس لاش کی طرف گھوم گیا جسے فریبی نے اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا۔ آخر وہ کس کی لاش تھی؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ حمید نے کراہ کر کروٹ لینے کی کوشش کی لیکن چڑے کے تھے اس کی ہڈیوں میں چھڑ کر رہ گئے۔ اس بارے گلوخالا میں کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اب کی ایک انتہائی منظم گروہ سے سابقہ ہے۔

اسے اپنے گرد پھیلی ہوئی تاریکی قبر کی تاریکی معلوم ہونے لگی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ سانسیں تیز اور بوجھل ہو گئی تھیں۔ اچانک اسے محسوں ہوا جیسے وہ برق رفتاری کے ساتھ یچے چارہ ہو۔ کافوں میں گوئختے والی سمنا ہٹ نے اب دوسری ٹھکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار ہلکی ہلکی سیٹیاں نئی رہیں ہوں۔ پھر ایک جھٹکا لگا۔ آواز ختم ہو گئی اور ایک پا گل کر دینے والا سانسیں توہن کے مسلط ہو گیا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہنے لگا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنی بوٹیاں نوچ ڈالے۔

دفعتاً اس کے دامیں طرف تاریکی میں ہلکی روشنی کا ایک چوکور دھبہ نظر آیا اور ساتھ ہی ہندنی ہوا کا یک ریلا اس کے چھرے کا خون مخدود کرتا ہوا گز گیا۔

چوکور دھبے میں سے دو تاریک سائے انہیں میں ریک آئے۔ انہوں نے حمید کے

لگایا اور اسے گریان سے پکوڑ کر کھینچتا ہوا کمرے سے نکال لے گیا۔ وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جس کی دیواروں سے پتھر کی کریان لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کی چھت سات فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ یہاں پانچ آدمی پتھر کی کرسیوں پر بیٹھے کسی ایسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جو حمید کے لئے بالکل نئی تھی۔ ان کی قومیت کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ ان کی رنگت گندی تھی اور بال گہرے سیاہ۔ اسے ان سب کے خدوخال میں یکسانیت بھی نظر آئی۔ آنکھیں تو قریب قریب سمجھوں کی ایک بھی تھیں۔ ان میں کچھ عجیب طرح کی دشت تھی۔

حمد کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔ حمید نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ یہ کسی مغربی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔

ان پانچوں میں سے ایک نے اس سے کچھ کہا جس کے جواب میں اس نے کوئی بات پہنچپاہٹ کے ساتھ کی۔ اور حمید سے اگر بیزی میں بولا۔ ”نائتے میں چائے پیتے ہو یا کافی؟“ اس کے بعد میں کرخی نہیں تھی۔

اس کا ساتھی اسے ایک درمرے کمرے میں لا یا جہاں ایک بڑی سی بھددی میز پڑی ہوئی تھی۔ کچھ بے ہنگامہ کریان بھی تھیں۔ حمید نے ایک عجیب سی اشتما انگیز خوبصورتوں کی، جو شاید برادر والے کمرے سے آرہی تھی۔ اس کے ساتھی نے ایک کری کی طرف اشارہ کیا۔ حمید بیٹھے رہا تھا کہ اس کی نظریں کھڑکی سے گزر کر بیروفی مناظر میں ڈوب گئیں۔ برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔

اس کا ساتھی اسے چھوڑ کر درمرے کمرے میں چلا گیا۔ حمید اٹھ کر کھڑکی کے قریب آگیا۔ نزدیک دور کی ساری پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ براؤن رنگ کی سخت چٹانوں سے بنی ہوئی زمین پر بزرے کائنات نہیں تھا۔ البتہ کہیں کہیں زرد رنگ کی کائیے دار جماڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ بڑے بڑے گوشت خود پرندے فضائیں پچکر کاٹ رہے تھے۔ یہ نہ چیزوں سے مشابہ تھے اور نہ گدھوں سے۔ ان کی رنگت سیاہ تھی جو بچی کی بناوٹ سے حمید نے پر اندازہ کیا کہ یہ گوشت خور عربی ہو سکتے ہیں۔ بھی بھی ان کی تیز اور کپکپائی آوازوں سے سکوت

تھے کھولے اور سختی کرتا رکھی سے نکال لیا۔

آسمان پر آخر شب کے ستارے جماہیاں لے رہے تھے اور چاروں طرف اوپھتہ ہوا سنا تھا پھیلا ہوا تھا۔ حمید نے پلت کر دیکھا۔ سکار کی ٹھیکانہ کا آب۔ دیوپیکر را کٹ زمین پر لٹکا ہوا تھا۔ اسے اب معلوم ہوا کہ وہ ایک راکٹ میں سفر کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔

حمید نے ڈوبتے ہوئے دل سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں وہ ایک غیر آباد مقام پر کھڑا تھا۔ حد نظر تک اونچی بیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں جن پر رات کا گہرا سرمی غبار طاری تھا۔

”میں کہاں ہوں.....؟“ حمید اپنے خلک ہوتوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑا بڑا۔

”جہنم میں.....!“ دنوں پہلے۔

حمد کو ان پر غصہ نہیں آیا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اس نے اتنی بے بھی محسوں کی تھی۔

”چلو.....!“ وہ دنوں اسے ایک طرف دھکیتے ہوئے بولے۔

حمد چلنے کی بجائے گھست رہا تھا۔ اس کا ذہن بالکل ساٹ ہو گیا تھا۔ دل میں نہ کوئی خیال تھا اور نہ کوئی ایسی خلش جسے ڈریا نہیں کے اثر سے تعبیر کیا جاسکتا۔ میراں طرح اٹھ رہے تھے جیسے وہ اس کا مشینی فعل ہو۔

خوڑی دیر بعد حمید نے خود کو ایک ایسی عمارت کے سامنے پایا جو بدھ مذہب والوں کی عبادت گاہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لے گئے۔ عمارت کافی وسیع تھی۔ اس کے قبرنماکروں میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ اسے ایک کمرے میں دھکا دے کر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا۔ حمید پیال کے ایک ڈھیر پر پڑا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نقابت نے پھر اس کے ذہن پر قابو پالیا۔ زمین پر لگے ہوئے دنوں ہاتھ پیال کے ریشوں سمیت آگے کی طرف پھسل گئے اور اسے اپنی ٹھوڑی پر لگنے والی چوٹ کا احساس تک نہ ہوا۔ قبرنما کمرے کی دھنڈلی روشنی پر گہری سیاہ تیزیں چھپتی چلی گئیں۔

دوسری صبح ایک آدمی اسے ٹھوکر مار مار کر بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں سے چمکدار دھوپ اندر ریک آئی تھی۔ حمید نے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی پیٹھ پر ایک ٹھوکر پڑی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اجنبی نے قہقہے

”پلوسگار ہی کمی..... کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی جماہیاں آتی رہیں گی۔“

اس نے پھر کر جیب سے گارکیس نکالا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حید سگار سلاکا کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ پھر اسی کمرے میں آیا جہاں اس نے ان پانچ گھنٹوں کو دیکھا تھا۔ وہ آپس میں گھنٹوں کو رہے تھے۔ حید کو دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

”تم کون ہو.....؟“ ان میں سے ایک نے حید کو انگریزی میں مخاطب کیا۔

”ایک سرکاری سراغ رسائی۔“ حید نے کہا۔ وہ جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔ اس نے فریدی کوئی بار یہ کہتے نا تھا کہ اگر گارسائیں کو ہم پر اس بات کا شہرہ بھی ہو گیا کہ ہم لوگ اس کی موجودگی سے واقف ہیں تو ہر حال میں موت ہمارے قریب ہی رہے گی۔

”تم یہاں کیوں لائے گئے ہو.....؟“

”مجھے ابھی تک بتایا نہیں گیا۔“ حید نے کہا اور لاپرواپی سے بجا ہوا سگار سلاکا نے لگا۔

”یہ تمہیں نہیں معلوم کر تم ابھی قتل کر دیجے جاؤ گے؟“

حید کے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی اور اس کا دل دھکنے لگا۔ لیکن اس نے حتی الگان اپنے چہرے کو خوف کے آثار سے بچانے کی کوشش کی۔

”مجھے یہ بھی نہیں بتایا گیا..... اور اگر بتا بھی دیا جاتا تو میں کہتی کیا سکتا تھا۔“ حید نے کہا۔

”جانتے ہو کرم کس کے قیدی ہو.....؟“

”قیدی.....؟“ حید چونک کر بولا۔ ”اگر یہ قید ہے تو میں زندگی بھرا ہی حالت میں رہنے کیلئے تیار ہوں۔ تمہاری کافی مجھے بیجہ پسند آتی۔ شاید بر از میں کی تھی۔ اپنی طرف تو وہ ملتی ہی نہیں۔“

حید خاموش ہو گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کے بولنے سے قبل خود ہی بڑیرا نے لگا۔ ”مجھے معلوم کر کے خوشی ہوتی کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔ ہلاڑ کو ہم پیچان ہی چکے..... فریڈرک اور لکھا تھیوں کو بھی پہچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن تم لوگ ابھی تک معذہ بنے ہوئے ہو۔“

پانچوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا۔

”فریڈرک کو تم نے کیسے پہچانا.....؟“ ایک نے پوچھا۔

ٹوٹ جاتا۔

حید بے سرو پا خیالات میں ڈوبا رہا۔

تموڑی دری بعد اس کا ساتھی ہاتھوں پر ٹڑے اٹھائے ہوئے اندر آیا جس میں ایک بڑی کی چائے دانی اور ایک کپ تھا۔ ایک پلیٹ میں تین چار چھوٹے چھوٹے بننے ہوئے پرندے تھے۔ پھر وہ اسے کمرے میں تھاں چھوڑ کر چلا گیا۔ حید نے پیالے میں کافی اٹھی۔ دو ہی تین گھنٹوں کے بعد اسے تمباکو کی یادستانے لگی۔ مچھلی رات کے ہنگامے کے دوران میں اس کا پاپ اور تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئے تھے۔

ناشرہ ختم کرنے کے بعد وہ پھر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آخر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ مچھلی رات ان آدمیوں میں اس لڑکی کی موجودگی سے یہ بات تو ثابت ہو گئی تھی کہ وہ اس وقت گارسائیں کا قیدی تھا اور کسی ایسی جگہ پہنچا دیا گیا تھا جہاں سے نہل بھاگنے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکے۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے ہی ملک کے کسی حصے میں ہے یا کسی دوسرے ملک میں۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اپنے شہر سے یہاں تک اس راکٹ میں لا یا گیا تھا؟ وہ اپنے ذہن پر زور دینے لگا کہ انہوں نے شہر کے کس حصے میں راکٹ اتنا را ہو گا۔ کاش وہ فریدی کا کہنا مان گیا ہوتا۔ وہ کچھ سورج بھکر کر ہی اسے اپنے ساتھ نہ لے گیا ہو گا۔

حید ان خیالات کو اپنے ذہن سے نکال پھیکنے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ پچھتا افضل تھا۔ وہ اس جاں سے نکال سکتا تھا۔ فریدی کو شاید اس کی خبر ہی نہ ہو کہ اس پر کیا گزری۔

”ناشرہ کرچے؟“ اسے اپنی پشت پر آواز سنائی دی۔

حید چونک کر پلٹا۔ وہی آدمی جو اسے یہاں تک لایا تھا اسے اپنے پیچے آنے کا اشارہ کر کے واپس جا رہا تھا۔

حید نے اسے آواز دے کر روکا۔

”اس لذیذ ناشتے کا بہت بہت شکریہ۔“ وہ مکرا کر بولا۔ ”میں نے کئی گھنٹوں سے تمباکو نہیں پیا۔“

”گار پیتے ہو.....؟“ اس نے پوچھا۔

”اگر ضرورت بھی گئی تو ہمیں اسی میں آسانی ہو گی۔“
 ”شریف آدمیوں تم شاید اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔“
 ”وہ ڈائری کیا ہوئی.....؟“ ان میں سے ایک نے پوچھا۔
 ”جہنم میں گئی۔“ حیدر جھنگلا کر بولا۔ ”نہ جانے اس میں کیا تھا۔“
 ”تمہارا آفیسر تو جانتا ہی ہو گا۔“
 ”وہ بھی اسے نہیں دیکھ سکا تھا..... مگر میرہو..... کیا وہ خوبصورت لڑکی تھارے گردہ سے
 نظر نہیں رکھتی؟“
 ”کیوں.....؟“
 ”کیا وہ ڈائری وہی نہیں اڑا لے گئی تھی۔ کیا اسی نے میرے آفیسر کو چاند ماری کے میدان
 میں آنے کے لئے چیختھے نہیں کیا تھا.....؟“
 ”تم دونوں وہاں ساتھ ہی کئے تھے؟“ حیدر سے پھر سوال کیا گیا۔
 ”نہیں! وہ مجھ سے پہلے چلا گیا تھا۔“
 ”کوئی خاص ایکسی تھی؟“
 ”نہیں..... وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔“
 ”لیکن تم تو وہیں ملے تھے۔“
 ”ٹھیک ہے۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ واقعی نہیں جائے گا اس لئے اس کے غائب
 ہونے کے بعد میں بھی اُدھر چلا گیا تھا۔“
 ”کیوں..... اس بے یقینی کی وجہ.....؟“
 ”میں اس کی نظرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔“
 ”کیا وہ جھمیں وہاں ملا تھا.....؟“
 ”نہیں..... لیکن میں نے رانکلوں کی آوازیں ضرور سی تھیں۔“
 ”تو یہی دیر تک خاموشی رہی پھر وہی آدمی بولا۔“
 ”وہ کہاں مل سکے گا.....؟“

”میرا آفیسر براہمہ داں قائم کا آدمی ہے۔“
 ”تو اس نے ہمیں بھی پہچان لیا ہو گا۔“
 ”نہیں.....!“ حیدر نے یقین دلانے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”اگر اس نے پہچان لیا
 ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔“
 ”تمہارا آفیسر اس وقت کہاں ہو گا؟“
 ”کہیں نہ کہیں ضرور ہو گا۔“ حیدر سوال کرنے والے کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”لیکن
 اب اسے کوئی نہ پاسکے گا۔“
 ”کیوں.....؟“
 ”میرے غائب ہو جانے پر وہ بہت زیادہ محاط ہو گیا ہو گا۔“
 ”خیر گھبرا دنیں..... تمہاری تھائی بہت جلد رفیع ہو جائے گی۔“
 ”میں شادی تو ہرگز نہیں کروں گا چاہے مارڈا لو.....!“ حیدر نے سمجھی گی سے کہا اور
 سب تھیر ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔
 ”شادی..... شادی سے کیا مطلب.....؟“
 ”اب شادی کا مطلب کیا تھا تو..... شرم آرٹی ہے۔“ حیدر نے کچھ ایسے انداز میں کہا
 کہ وہ سب فس پڑے۔
 ”تم تھائی رفیع ہونے کا مطلب غلط سمجھے۔“ ایک بولا۔ ”میں یہ کہہ رہا تھا کہ عذریب تمہارا
 آفیسر بھی تمہارے پاس بیٹھ جائے گا۔“
 ”خام خیال ہے۔“ حیدر خاترات سے ہنستا ہوا بولا۔ ”اُس پر قابو پانा آسان کام نہیں۔“
 ”کیوں.....؟“
 ”وہ بھیں بدلتے میں اپنا ٹانی نہیں رکھتا۔“
 ”بھیں.....؟“ اجنبی کی بھی تحریر آمیز تھی۔ ”اطینان رکھو..... وہ ہمارے مقابلے میں
 خود کو چوہا جھوٹ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔“
 ”تو کیا تم اسے بھی مارڈا لو گے؟“ حیدر نے بناوٹی خوفزدہ لمحے میں پوچھا۔

بڑی دریک اس عمارت کے باہر بھی نہلٹا رہا تھا اور قرب و جوار میں اسے اس عمارت کے علاوہ کوئی دوسری عمارت نہیں دکھائی دی تھی۔ کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں پڑا تھا جو اس عمارت کے افراد سے الگ ہوتا۔ عمارت کی پشت پر ایک دوڑھائی سو فٹ گھری وادی تھی جس میں چند ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن یہ بھی دیران تھے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی آباد رہے ہوں۔ حمید نے عمارت کے باشندوں سے اس مقام کے نام کے متعلق کئی بار استفسار کیا تھا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

دو بج گئے تھے لیکن ابھی تک اسے نہیں آئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور سگار سلاک نے ہی جارہا تھا کہ کھڑکی میں ایک تیز قسم کی روشنی کا کونڈا سالپکا اور گھڑ گھڑا ہٹ کی آواز سنائی دی۔ جو چند لمحے جاری رہ کر بند ہو گئی۔

حمدی بستر سے کوکر کھڑکی کے قریب آگیا۔ باہر اندر ہرے میں وہی را کٹ نہ میشیں کھڑی تھی۔ کچھ لوگ اس سے اتر رہے تھے۔ حمید نے اس لڑکی کی بھی آواز سنی۔ جس کی بدولت اتنی قلابازیاں کھانی پڑی تھیں۔

ان میں سے ایک نے تاریچ روشن کی۔ دو آدمی ایک تیرے آدمی کو کھینچ کر راکٹ سے باہر نکال رہے تھے۔ اس کے پیڑے پر روشنی پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔ یہ فریبی تھا اور کافی جھنجڑایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ تاریچ بجھا دی گئی اور حمید ان کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔ اب تو سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ فریبی بھی آپھسا۔۔۔ یعنی یہاں سے رہائی کی رعنی کسی امید بھی منقطع ہو گئی۔

حمدی فریبی کے سامنے اپنائی خطرناک اور ڈرائنسے حالات میں بھی شیر ہو جایا کرتا تھا۔ وہ اس وقت بھی ایک انجانی سی تقیت محسوس کر رہا تھا۔ اچاک اس کی ساری صلاحیں بیدار ہو گئیں۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ ہلاکی مچایا جائے، تھوڑی تفریخ رہے گی۔ اور پھر وہ ہلاکنے لگا۔

دروازہ کھلا۔ حمید کو قدمیں کی روشنی میں دو سامنے دکھائی دیے۔ قدمیں اسی لڑکی کے ہاتھ میں تھی جسے دیکھ کر حمید کا خون گھولنے لگتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا جس کی ناک پر پٹی

”میں نے کہا تا کہ اب اس کے فرشتوں کو بھی اسے متعلق کچھ نہ معلوم ہو گا۔“
”کیوں.....؟“

”تم لوگوں کی..... کیوں سے تو میں عاجز آ گیا ہوں وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔“
”وہ جتنی جلدی ہمارے ہاتھ لگ جائے گا..... اتنی ہی جلدی تمہاری رہائی بھی ہو گی۔“
”میں نہیں سمجھتا۔“

”ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے کیونکہ تمہیں مارنے کا کام تو تمہارے شہر میں ہو سکتا تھا۔“

”پھر.....؟“

”تمہارے آفیسر کی موجودگی میں ہمیں ایک بات کا تصفیہ کرنا ہے۔“
”اس کے متعلق میں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سو فیصدی صحیح ہے۔“
”تمہاری مرضی.....!“ وہ اکتا کر بولا۔

موت کے دروازے پر

اس گم نام دیرانے میں رات کا سناٹا بڑا خوفناک تھا۔ آج حمید کو زمین پر پڑی ہوئی پیال؛ نہیں لیٹتا تھا۔ کمرے میں کوئی آتش داں نہیں تھا پھر بھی وہ اسی کو غصیت بکھر رہا تھا کہ اس کے نیچے پیال بھرا ہوا چڑے کا بستر ہے۔ اوپر ایک نہیں تھیں تکمبل ہیں یہ اور بات ہے کہ یہاں کی سردی کے اعتبار سے وہ بھی ناکافی رہے ہوں۔

اسے گرفتار کرنے والوں نے ابھی تک اسے کسی اذیت میں جتلائیں کیا تھا۔ وہ سب ال سے اس طرح بے پرواہ نظر آتے تھے جیسے وہ ان کے ساتھیوں ہی میں سے ایک ہو۔ دن میں“

انداز میں کہا۔

”بکواس بند کرو۔“ لڑکی مسکرا کر بولی۔ ”میں تمہیں ایک دلچسپ خبر سنانے آئی ہوں۔“

”ایک نہیں دوسنارو۔“

”تمہارا آفیسر فریڈی ایک حصیر کیڑے کی طرح ہمارے ہاتھوں بے بس ہو چکا ہے جس پر تمہارے ٹک کو ناز تھا۔“

حید نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور دیر تک ہستارہ۔ جب نہ چکا تو رہا سامنہ بنا کر بولا۔ ”جب میں تمہارے جال میں پہنچ گیا تو اس بیچارے کی کیا حقیقت ہے۔ وہ تو دراصل میرا شاگرد ہے کام میں کرتا ہوں اور نام اسکا مشہور ہوتا ہے خیر۔ چھوڑو۔ ہٹا۔ پھر کیا رہی؟“ ”کیا.....؟“

”بات یہ ہے۔“ حید نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی پہنچاہت کے ساتھ بولا۔ ”مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔“

”بکونیں..... جس پر چاپ سو جاؤ۔ اگر شور چاو کے توختی کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔“ ”رٹاڈا رٹاک..... میں مر جاؤں گا۔“

”مشش..... میرا نام ایتنا ہے۔“

”ایٹنا.....؟“ حید اپنے ہوتھ چاٹتا ہوا بولا۔ ”کتنا پیارا نام ہے..... ایٹنا..... اے واہ..... خدا کی قسم میں شاعر نہیں ہوں ورنہ اسی وقت ایک غزل کہہ کر تمہاری خدمت میں مطلع عرض کر دیتا۔“

”تمہارا نام حید ہے نا.....!“ لڑکی نہ ہنس کر بولی۔

”کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔ میرا نام ہائیٹ ہے اور میں حضرت عینی کے گدھے کی بڑی عزت کرتا ہوں۔“

”بکومت..... بد تینز.....!“ لڑکی کا چہرہ بگز گیا۔

”اوہ معاف کرنا..... میں سمجھتا تھا کہ تم نہ ہی عورت نہیں ہو۔“

”اچھا اب بکواس بند۔“

بندی ہوئی تھی۔ یہ بھی سغرب ہی کے کسی ٹک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بہت سو رآ دبی بالاوب ہوتا ہے۔“

حید سمجھ گیا کہ اس کی ناک بڑی طرح رخی ہے اور وہ کچھ ایسی تکلیف میں جلا ہے کہ ناک سے آواز نکالتے ہوئے بھی ڈرتا ہے۔ اسی لئے وہ آدمی کو آدمی اور معلوم کو ”بالاوب“ کہہ رہا تھا۔

”وہیلو..... بھیکے نہو.....!“ لڑکی نے حید کو چھاطب کیا۔ ”شور کیوں مچا رہے ہو۔“

”اے باہر بھیج دو تو بتاؤ۔“ حید نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا سبکتے ہو؟“ وہ گرج کر بولا۔ لیکن اس کی رخی ناک نے حید کو خاک بھی سمجھنے نہ دیا۔

”میں جسٹے کے بغیر تمہاری بات نہیں سمجھ سکتا۔“ حید نے لاپرواں سے کہا اور لڑکی کو آگئے مار کر مسکرانے لگا۔

رخی ناک والا گھونسانا ان کر اس کی طرف بڑھا لیکن لڑکی درمیان میں آگئی۔

”آتر قر اتم جاؤ..... میں اسے ٹھیک کروں گی۔ کیا تمہیں احکامات یاد نہیں؟“

رخی ناک والے کا ہاتھ ڈھیلا ہو کر لک گیا۔

”دکھو لو لکی.....!“ حید سنجیدگی سے بولا۔ ”میں مرعوب ہو جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔“

رخی ناک والا چند لمحے حید کو گھوٹا رہا پھر کرے سے چلا گیا۔

”تم واقعی بڑی ظالم ہو۔“ حید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”فنول باشی ملت کرو۔ سوجاؤ..... یہ بھی میری شرافت ہے کہ میں نے تمہاری کھال نہیں سمجھوائی۔“

”میں تم سے استدعا کرنا ہوں کہ میری کھال ضرور سمجھوں گوں ممکن ہے کہ میں کحال کے بغیر یعنی تمہیں کچھ حسین معلوم ہوں۔“

”غیر وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے کہ تم ساری طاریاں بھیول جاؤ گے۔“

”مجھے اپنے ہی ہاتھ سے ذمہ کرنا۔“ حید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھیک ہندوستانی شنہ

”ضرورتا.....!“ جواب طا۔ ”تمہاری وجہ سے ہمارا بہت نقصان ہوا ہے۔“ ؟“ فریدی انہیں حتیٰ خیز نظرؤں سے دیکھا رہا اور چند لمحے بعد بولا۔ ”تم قاتل ہو۔ سازشی ہو۔ تم نے ہمارے ملک کو عظیم سامنہدانوں سے محروم کر دیا۔“

”یہ غلط ہے۔“ ان میں سے ایک بولا۔ ”لیکن تم ان کے قاتلوں سے واقف ہیں۔“

”تم لوگ ہو کون؟ چودھری کو کس لئے قتل کیا گیا؟ اس کا قاتل کون تھا.....؟“ فریدی نے گھوڑ کر کہا۔

”تم یہاں اس لئے نہیں لائے گئے کہ تم تمہیں اس کی سراغ رسانی میں مدد دیں۔“

”اُرے تو وہی بتاؤنا..... میں بہت مشغول آدمی ہوں۔“ فریدی نے چھٹلا کر کہا۔

”تمہیں پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟“

”مجھے اس پر سازشی ہونے کا شہر ہوا تھا۔“

”فضول بخوبی میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔“ داہمی طرف کے دروازے سے آواز آئی۔

حمدیڈ چوک کرمڑا۔ ایک لمبا تر ٹکا آدی فریدی کو گھوڑ رہا تھا۔

”اس ڈاڑی میں کیا تھا.....؟“ اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

”تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔“

”تم نے اسے دیں چھوڑ دیا تھا.....؟“

”تاکہ میرا بھی وہی حشر نہ ہو، جو پروفیسر درانی کا ہوا تھا۔“

”کیا مطلب.....؟“ اجنبی چوک کر بولا۔

”مطلوب بھی مجھے ہی سے پوچھو گے؟“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”تم نے درانی کو کیوں قتل کیا تھا؟ اس لڑکی نے ہمارا کا خون کیوں بہایا؟ تم لوگوں نے فریدرک اور اس کے ساتھی کو نیم مردہ کیوں کر دیا تھا؟ ظاہر ہے کہ اسی ڈاڑی کے لئے.....!“

”درانی کے قتل کا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے ہمارا بھی نے مارا تھا۔“

”اور پروفیسر چودھری.....؟“ فریدی بولا۔

”اس کا گلائیں نے ہی اپنے ہاتھوں سے گھوٹا تھا۔“ اجنبی نے کچھ ایسا منہ بنا کر کہا جیسے وہ

”پڑھ بند ہی کی۔“ لیکن ایک بات اور بتا دو۔ ”یہ کہ میں اپنے ہی ملک میں ہوں یا کہیں اور؟“

”تمہیں اس سے کوئی چیز نہ ہوئی چاہئے۔“ لڑکی نے خلک لجھ میں کہا۔ ”تم صرف یہ سوچو کہ تمہیں سکا سکا کر مارا جائے گا یا ایک دم خاتمه کر دیا جائے گا۔“

”بھی مر نے جیسے کی تو اپنی نظرؤں میں کوئی وقت ہی نہیں اور پھر اسکی صورت میں جب کہ خبر تمہارے ہاتھ میں ہو۔“

”شش اپ.....!“ ایتنا نے کہا اور کمرے سے باہر چل گئی۔

”مجبوراً حمید لیٹ گیا۔“

دوسرے دن صبح اسے پھر اسی بڑے کمرے میں لے جایا گیا جہاں وہ اس سے پہلے ان پانچوں آدمیوں سے گفتگو کر چکا تھا۔ اس وقت ان پانچوں کے علاوہ چھوٹا آدمی اور تھجے جن میں ایتنا بھی شامل تھی اور اس کا وہ ساتھی بھی جس کی ناک پر پیٹی بندگی ہوئی تھی۔ فریدی درمیان میں کڑا ٹھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

حمدیڈ نے لوگوں کی نظریں بچا کر ایتنا کوآنکھ ناردی اور فریدی کی طرف دیکھ کر مسکرا نے لگا۔

”موت کے منہ میں بھی تم اپنی بیووگی سے باز نہیں آتے۔“ فریدی نے کہا۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ کی آواز بھیک کیوں ماگ رہی ہے؟“ حمید بولا۔

فریدی کی آواز سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے سردی کی وجہ سے اس کا گلا بیٹھ گیا ہو۔

”سردی کا اثر ہے۔“ فریدی نے کہا اور کمرے کے دوسرے لوگوں کو گھوڑ نے لگا۔

”تم وہی ہو جس نے اس لڑکی سے ڈاڑی جھوٹی تھی۔“ ایک نے فریدی کو مخاطب کیا۔

فریدی خاموش رہا تو اسی نے پھر کہا۔ ”میں تمہیں سے پوچھ رہا ہوں۔“

”میں اس وقت تک کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”تم بہت زیادہ بڑے لوگوں میں نہیں ہو۔“

”مجھے اور میرے ساتھی کو یہاں کیوں لا بیا گیا ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

ڈشواری نہ ہوتی کہ وہ سب کس لئے ہو رہا تھا۔“

”میں بہت پہلے اپنی فکرست تسلیم کر چکا ہوں۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا اور حمید جہت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی کا یہ جملہ اس کے لئے ایک سانحہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی کی خودی ناقابل تفسیر ہے۔

”خیر سنو.....!“ اجنبی خیریہ انداز میں بولا۔ ”میں تمہارے ملک سے ایک قسمی راز لے جا رہا ہوں۔ میں اسے دنیا کے کسی بھی جگہ بازمک کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں۔“

وہ خاموش ہو کر فریدی کی طرف پر غور انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”یہ ایک انتہائی خطرناک گیس کا فارمولہ ہے..... اسکی گیس جن کی تھوڑی سی مقدار تقریباً دوسو میل کے گھرے میں اثر انداز ہو سکتی ہے..... بستیوں کی بستیاں ویران کی جاسکتی ہیں۔ نہ اس میں بیوودگی کا ڈرلنگ تینی کا خوف..... بس ایک طرف سے چھر کاؤ۔ دوسو میل کے اندر کا ایک بھی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا..... کیا سمجھے..... یہ تمہارے اسی پروفیسر چودھری کی ایجاد ہے اور اس ڈائری میں اسی کا فارمولہ درج ہے۔“

”لیکن وہ ڈائری تو پروفیسر درانی کی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں..... وہ چودھری سعی کی ڈائری ہے۔“

”تو چودھری کے یہاں تم لوگ اسی کی تلاش میں تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں..... اور چودھری کا بھوت بھی میں بنی تھا..... لیکن تم اس عجیب و غریب پیٹ کی تعریف نہیں کرو گے؟ جس سے میرا چہرہ انگارے کی طرح دیکھنے لگتا تھا۔“

”وہ میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

اجنبی چند لمحے جہت سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کیا واقعی تم اتنے نظر ہو جیسا کہ ظاہر کرتے ہو؟“

”تم نے بھی اپنے احق ساتھیوں کی طرح وہی بات چھیڑ دی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ہاں تو جیہیں اس گیس کا علم کیوں کھو رہا تھا.....؟“

اجنبی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

اس وقت بھی اپنے اس کارنے کی لذت حسوس کر رہا ہو۔

”کیوں.....؟“

”یہ سب پوچھ کر کیا کرو گے؟“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ ”ان دونوں کو شکانے لگادو۔ اگر یہ اس ڈائری کے متعلق کچھ جانتے بھی ہیں تو انہوں نے سرکاری طور پر اس کی کوئی رپورٹ نہیں دی۔“

”میں اس ڈائری کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن جانتے کی خواہش ضرور رکھتا ہوں۔“

اجنبی کوئی جواب دیے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

”مہمہ و میرے دوست.....!“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اجنبی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی پھر بولا۔ ”ظاہر ہے کہ ہم لوگ یہاں سے والیں نہیں جاسکتے۔ کیونکہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم کس مقام پر ہیں۔“

”پھر.....؟“

”مرنے سے پہلے میری ایک خواہش پوری کر دو۔“

”کیا.....؟“ اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔

”اس ڈائری میں کیا تھا.....؟ جس کے لئے اتنا ہنگامہ برپا ہوا۔“

”نئے بچ.....!“ اجنبی نے قہقہہ لگایا۔ ”میں نے تمہاری شہرت سنی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ

تم تھوڑے بہت ذہین ضرور ہو گے۔“

”تو تم نے یہ کیسے کھل لیا کہ میں ذہین نہیں ہوں۔“

”ذہین.....!“ اجنبی نے ایک تفصیل آمیز قہقہہ لگایا۔ ”اگر تم ذہنہ برابر بھی ذہین ہوتے تو پروفیسر چودھری کے کنوئی سے برآمد ہونے والے بھیوں کے ڈھانچے کو شہرت نہ دیتے۔ تم جانتے تھے کہ چودھری کا بھوت فرضی تھا۔ تم یہ بھی جانتے تھے کہ چودھری کے مکان میں ایک سے زیادہ ایسی پارٹیاں دیکھی لے رہی ہیں جو ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس ڈھانچے کوچھ پچھ چاپ دبا کر تماشا دیکھتا اور پھر مجھے یہ بات معلوم کر لینے میں ذرا بھی

کوئی سے برآمد کیا قابل تعریف ہے۔ تمہاری ذہانت میں شبہ نہیں۔ لیکن مجھ سے یہ ہرگز نہ پوچھنا کہ میں کون ہوں۔“

”اوہو.....!“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ”تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔“ اجنبی چوپک پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں اب اپنی چالاکیوں کے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔“

”میرا خیال ہے کہ شاید تمہارے ساتھی بھی تمہاری اصلی شخصیت سے واقف نہ ہوں۔“ فریدی نے لاپرواںی سے کہا۔

”کیا.....؟“ اجنبی کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان سے درندگی جملکنے لگی۔

”خیر چھوڑ دہتاو.....!“ فریدی نے پس کر کہا۔ ”تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے مرنے سے پہلے مجھے سب کچھ بتا دو گے۔“

”تم جاسکتے ہو۔“ اجنبی نے کمرے کے لبقی لوگوں سے کہا۔ وہ سب اس طرح اٹھے چیزے تاخیر ہونے پر شاید انہیں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

”میٹھے جاؤ.....!“ فریدی اور حمید کو پتھر کی کرسیوں پر بینٹنے کا اشارہ کیا۔

”آخر آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟“ حمید نے اردو میں کہا۔

”بس دیکھتے جاؤ۔“ فریدی بولا۔

اجنبی خاموش تھا۔ اس کے چہرے کے اندر چڑھاؤ سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اب گھنگوڑوں کرنے کے لئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہے یا موضوع ڈھونڈ رہا ہو۔

وختا باہر ایک ایسا خوفناک دھماکہ ہوا کہ وہ سب سناٹے میں آگئے اور پھر اجنبی چیخ کر کے تکا شد و روازے کی طرف دوڑا۔

”۱۹۵۰ء کی میں الاقوامی سائنس کا فنڈ میں پروفیسر چودھری نے اس قسم کی گیس کی تخلیل کے امکانات پر اطہار خیال کیا تھا اور یہ بات کمی تھی کہ اس سے ایسی تو اتنا تھی کی طرح تغیری کام بھی لئے جاسکیں گے۔ پہلے میں نے اس کا کوئی نوش نہیں لیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ مختلف ممالک کے جاسوس چودھری کے پیچے لگ گئے ہیں۔ اس معاملے میں ہلالر اور فریڈرک پیش پیش تھے۔ لیکن چودھری نے انہیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔“

اجنبی خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر تھہر کر فریدی کو گھوڑتا ہوا پہر خیال انداز میں بولا۔

”ھلالر اور فریڈرک نے چودھری کے استنسٹ پڑوارے ڈالے اور کسی طرح اس سے یہ معلوم کر لینے میں کامیاب ہو گئے کہ چودھری نے ایک منظر سے جو بے کے بعد اس گیس کا فارمولہ ترتیب دے لیا ہے اور پھر وہ مردی طرح چودھری کے پیچے پڑ گئے۔ میں سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ ایک رات عجیب اتفاق پیش آیا۔ ہم تینوں الگ الگ ایک دوسرے سے مطلق بے خر چودھری کی کوشی میں پہنچ گئے۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ چودھری کو اخواہ کروں گا۔ شاید ان دنوں کی بھی یہی سیکری ہو۔ بہر حال میں اس وقت اس کمرے میں پہنچا۔ جب فریڈرک اور ہلالر دہیں پر ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے چودھری شامکر سوتے سوتے جاگ پڑا تھا اور اس شش و پیچ میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے پیکے سے کمرے میں داخل ہو کر بھلی بھادی اور چودھری کو پیٹھ پر لاد کر لے جاگا۔ لیکن مجھے ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ ہلالر اور فریڈرک کے ساتھی نیچے موجود تھے اور میں تھا تھا۔ میں چوکو کوئی میں کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ ان دنوں کے ساتھیوں کی نظر مجھ پہنیں پڑی۔ چودھری کو سنجانا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں تھا لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ کہیں اس جدوجہد میں ان لوگوں کی نظر ہم پر نہ پڑ جائے۔ لہذا میں نے چودھری کا گاگھونٹا شروع کیا۔ ارادہ صرف یہ تھا کہ اسے اس طرح بیہوش کروں۔ مارڈا لئے کی نیت نہیں تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد میں نے محسوں کیا کروہ مر چکا ہے۔

بہر حال میرا پورا پر گرام اپ سٹ ہو گیا۔ مجھے امید تھی کہ چودھری نے وہ فارمولہ کہیں نہ کہیں لکھ ضرور چھوڑا ہو گا۔ میں نے چودھری کی لاش اس کنوئیں میں دبادی اور چپ چاپ واپس آ گیا۔ وہ پھر خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ ”لیکن تم نے جس طرح وہ ڈھانچہ اس

حید نے ایڈنا کو لڑکھ راتے دیکھا لیکن اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اسے اٹھانے کے لئے نہ رکا۔ پھر اس نے زخمی ناک والے کو دیکھا۔ جو بقیہ ساتھیوں سے کٹ کر پلٹ پڑا تھا۔ اس نے بھک کر ایڈنا کو اٹھایا اور اپنے کانٹھے پر لاد کر پھر دوڑنے لگا۔

وختا پھر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ حید گھبرا کر مرٹا۔ عمارت کے پرچے اڑ گئے تھے۔ وہ دلوں اور تیزی سے دوڑنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ان سکھوں کو جالیا۔

وہ قوی ہیکل اجنبی جس سے وہ تھوڑی دیر قبیل گفتگو کر رہے تھے کسی اسی زبان میں اپنے ساتھیوں پر برس رہا تھا جو ان کے لئے نی تھی۔

”اے دوست.....!“ فریدی اس سے نرم لمحہ میں بولا۔ ”اس ڈاری کا کیا ہوا؟ میں بقیہ داستان سننے کے لئے بے چین ہوں۔“

”داستان.....!“ وہ دانت میں کر فریدی کی طرف پکا۔ اگر وہ دار خالی نہ دیتا تو اس کا گھونسا اس کی پیشانی پر پڑتا۔

”اے دوست! تم نے وعدہ کیا تھا۔“

”شٹ اپ.....!“ اجنبی طبق کے مل چینا اور اپنے ساتھیوں سے گرج کر بولا۔ ”ان دلوں کی دھیماں اڑاودو۔“

”میں پیارے گارسائی.....!“ ایک طرف سے آواز آئی۔

حید نے چوک کر دیکھا۔ زخمی ناک والا اپنے دلوں ہاتھوں میں دوریا اور تھامے کھڑا تھا۔ اس نے مکرا کر کہا۔ ”بقیہ داستان تمہیں سنانی پڑے گی..... اور تم اپنے ہاتھ اور پٹھانے رکھو۔“

”اوہ..... شیفرڈ! کتے.....!“ گارسائی غصے میں اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

”وہ کتابوں چاند ماری کے میدان میں فن ہے۔“ زخمی ناک والے نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ حید اس کی آواز پچھان کر بے اختیار اچھل پڑا۔

یہ فریدی کی آواز تھی۔ لیکن فریدی تو اپنی صحیح شکل و صورت میں اس کے قریب کھڑا تھا۔ لیکن وہ پہلے سے کچھ دبلا۔

آخری منظر

حید منہ چھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”یہ کیا ہوا.....؟“ حید آہستہ سے بڑا دیا۔

”ان کا زمپلن تباہ ہو گیا.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”زمپلن یارا کٹ.....؟“

”حقیقت نہ وہ زمپلن تھا اور نہ راکٹ۔ کوئی نئی ایجاد تھی۔“

”لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ زمپلن ہی تباہ ہوا ہے۔“ حید نے کہا۔

”اے جاہ ہونا ہی تھا۔“ فریدی خیریہ انہاڑ میں مسکرا کر بولا۔ ”ورنہ فریدی انہیں بے بس کس طرح کرتا۔“

حید دروازے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فریدی نے اسے آنکھ کے اشارے سے روک دیا۔

وختا باہر..... ”آگ..... آگ.....“ کا شور سنائی دیا۔

”بجا گو.....!“ فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دلوں بے تھاشہ دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اس راکٹ نما مشین کا ڈھانچہ آگ کی

لپٹوں میں گمراہ ہوا تھا۔ عمارت کے سطحے بلند ہو رہے تھے۔ عمارت کے مکین

مخالف سمت میں بے تھاشہ دوڑے جا رہے تھے۔

”یہ کیوں بجا گ رہے ہیں۔“ حید نے احتقون کی طرح پوچھا۔

”بجا گو، جلدی کرو۔“ فریدی بھی اسی طرف دوڑنے لگا۔ حید بھی اس کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

”آخری کیوں بجا گ رہے ہیں؟“ وہ ہانپاہ ہوا بولا۔

”تم واقعی ڈیوبٹ ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس عمارت میں اس کا میگزین بھی ہے۔ معلوم

نہیں وہ ڈاری کہاں ہے۔“

ضرور نظر آرہا تھا۔

”ان کی نائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پتوں پر جکڑ دو۔“ زخمی ناک والے نے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا اور پھر دوسرا آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”تم صرف دل ہو اور میرے قبضے میں بارہ گولیاں ہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ میرا نشانہ کبھی خطانیں کرتا۔“

فریدی اور حمید بتائے ہوئے کام میں مشغول ہو گئے۔

ایک آدمی نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن دوسرا ہی لمحے میں زخمی ناک والے کے روپ اور کافر اس کا کام تمام کر چکا تھا۔ اور..... بقیہ لوگ کا اپ کر رہے گئے۔

گارس ان شعلہ باز نظروں سے زخمی ناک والے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ناک پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی لیکن آواز سے اب ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی ناک زخمی ہے۔

”میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔“ اس نے بے دردی سے پس کر کہا۔ ”تم سب سینیں سو جاؤ گے۔“

”ایٹنا ڈار لنگ..... اب نتاو۔“ حمید ایٹنا کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور سر جھکائے کھڑی رہی۔

سب کو باندھ پکنے کے بعد وہ دونوں گارس ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچ وہ ان دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ زخمی ناک والے کے روپ اور سے پھر ایک شعلہ نکلا اور

گارس ان جیسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی بائیں ران داہنے ہاتھ سے دبار کھی۔ گولی ران میں لگی تھی۔ لیکن اس نے اپنا ہاتھ ران پر سے ہٹالیا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید جیسے ہی آگے بڑھے اس نے پھر ان پر حملہ کر دیا۔ فائر ہوا۔ اس بار گولی اس کے داہنے بازو پر لگی تھی۔

لیکن اس نے فریدی اور حمید کی گردیں نہ چھوڑیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ اس کی گردن میں اتری جا رہی ہوں۔

ایٹنا اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے زخمی ناک والے کو گھوڑی تھی۔

زخمی ناک والے نے آگے بڑھ کر روپ اور کا دستہ گارس ان کے سر پر مار دیا۔ وہ پھر ان دونوں کو چھوڑ کر پہنچے ہٹ گیا۔ اس کے سر سے بھی خون بننے لگا تھا اس نے جھنجلاہٹ میں اپنا خون بھرا ہاتھ اپنے چہرے پر مل لیا اور پہلے سے بھی زیادہ خوفناک دلکھائی دینے لگا۔ لیکن اس کے

جسم کے نتاو میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ ایک زخمی شیر کی طرح دھماڑ رہا تھا۔

”ہاں پیارے..... وہ بقیہ داستان.....!“ زخمی ناک والا ہنس کر بولا۔ اب گارس ان اس پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار اس نے فائز کرنے کے بجائے صرف پتول کے دستے سے کام لیا اور اس کی پیشانی سے بھی لہور نہ لگا۔

”فضول ہے..... خوبیت کے فرزند.....!“ زخمی ناک والے نے کہا اور اسے دھکا دے دیا۔ گارس ان کلبوں کے مل دھب سے زمین پر آ رہا۔ وہ غصے میں شور مچاتا ہوا اپنے سر کے بال نوچ رہا تھا۔

”ہاں بیٹھے! وہ بقیہ داستان۔“ زخمی ناک والے کے لجھ میں بلا کی سفا کی تھی۔

گارس ان کی طرف تھوک دیا۔

”خیر بیٹھے۔“ وہ پس کر بولا۔ ”تم نے اپنی داستان بڑے فخر یہ انداز میں سنائی تھی۔ اب تھوڑی سی میری بھی سن لو۔..... جسے تم فریدی سمجھ رہے ہو۔ وہ فریدی کا ایک شاگرد انور ہے اور فریدی یہ خاکسار ہے۔“

حید نے انور کی طرف دیکھا، جو فریدی کی ٹھلل میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کتنا کامیاب میک اپ تھا۔

”تمہارے ساتھیوں نے مجھے پہنچ کر کے انتہائی حماقت کا ثبوت دیا تھا۔“

فریدی پھر بولا۔ ”چاند ماری کے میدان میں اتفاق سے تمہارا آدمی شیفڑہ میرے ہاتھ لگ گیا جسے میں پہلے بھی ہار لے بلڈنگ میں دیکھ چکا تھا۔ بہر حال میں نے گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔“

حید کے ذہن میں اس رات کے واقعات پھر لگانے لگے جب اس نے فریدی کو اپنے کانڈھ پر ایک لاش اٹھائے دیکھا تھا۔

”ہاں تو اے دنیا کے پراسرار تین آدمی گارس ان۔“ فریدی بولا۔ ”میں نے شیفڑہ کو وہیں لیکر گزھے میں فن کر دیا اور خود پر اس کا میک اپ کر کے ہار لے بلڈنگ پہنچ گیا۔ میرا اندازہ لست تھا۔ تمہارے سارے ساتھی وہیں مقیم تھے۔ میں نے اپنی ناک پر پٹی باندھ لی تھی ناک

ناک رخی ہونے کا بہانہ کر کے آزادی سے اپنی آواز بدل سکوں..... تمہارے کسی آدمی کو مجھ پر ذرہ برا بر بھی شبہ نہ ہوا۔ پھر دوسرے دن جب وہ مجھے پکڑنے کی اسکیم بنارہے تھے میں نے ایک زبردست قسم کھائی اور عہد کیا کہ میں یا تو فریدی کو پکڑ لاؤں گا یا پھر زندگی بھر انہیں اپنی شکل نہ دکھاؤں گا۔ لہذا میں فریدی کو پکڑ لایا۔“

فریدی نے انور کو آنکھ ماری۔

”اور یہ چوہیا.....!“ فریدی نے ایڈنا کی طرف اشارہ کیا۔ ”جو بڑی داش مند تھی آخر کار چکر میں آئی گئی۔“

گارس اس پھر چیخ کر فریدی کی طرف چھپتا مگر اسے پہلے ہی کی طرح زمین پر بیٹھ جانا پڑا۔ کیونکہ یہ اس کے سر پر تیسرا خم تھا..... اور پہلے کے زخموں سے گھبرا بھی۔

”اس کے بھی ہاتھ باندھ دو.....!“ فریدی نے حمید اور انور سے کہا۔

گارس اس زیادہ دریک جدو جهد جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے جسم سے کافی خون بہہ گیا تھا۔ حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔

”اوہ اس کا کیا ہو گا.....؟“ حمید نے ایڈنا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اس کا آٹیٹیٹ بنے گا۔“ فریدی بنس کر بولا۔ پھر گارس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ڈائری کہاں ہے؟“

گارس اپنے گلوں کی طرح بنس پڑا اور اس نے اپنا چہرہ گھما کر اس خاک کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا جو کچھ دری قبل ایک عمارت کی شکل میں تھا۔

انور کو یقین نہ آیا۔ اس نے اس کی جامہ ثلاثی لی لیکن ڈائری برآمدہ کر سکا۔

”ہم واپس کس طرح جائیں گے؟“ حمید نے پوچھا۔

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی سرز میں میں نہیں ہو؟“

”میرا تو بھی خیال ہے۔“

”غلط خیال ہے..... ہم رام گذھ سے بمشکل تمام دس یا چند رہ میں کے فاصلے پر ہوں گے۔“

”رام گذھ.....؟“ حمید اچھل کر بولا۔

”ہاں تمہیں حرمت کیوں ہے۔“

”اپنے بھاں سے رام گذھ کا فاصلہ کیا ہے؟“ حمید نے کہا۔

”تقریباً ڈیڑھ ہزار میل۔“

”اور ہم نے چند گھنٹوں میں یہ مسافت طے کر لی تھی۔ میرا خیال ہے کہ بمشکل دو گھنٹے صرف ہوئے ہوں گے۔“

”ابنکی وہ اڑنے والی مشین انتہائی حرمت انگلیز تھی۔ تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے اڑے تھے؟“

”مجھے ہوش نہیں تھا۔“

”تمہیں سن کر حرمت ہو گی کہ وہ مشین ہارے بلڈنگ کی چھت پر اتر اکرتی تھی اور وہ یہی سے پرواز بھی کرتی تھی۔ اس میں آواز اتنی کم بیدا ہوتی تھی کہ پڑوں والے تک اس کے وجود سے لامٹ تھے اور انہیں رات میں وہ لوگوں کی نظر میں بیچ کر پرواز کر جاتی تھی۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر گارس اس سے کہنے لگا۔ ”جانتے ہو تمہاری اڑنے والی مشین کا کیا حشر ہوا.....؟“

گارس اپنے کچھ نہ بولا۔

”یہ تمہارے ہی میگزین کے ایک نائم بم کا کرشمہ تھا۔ میں نے بچپن رات کو اس عمارت کا ایک ایک گوشہ دیکھے ڈالا تھا اور وہ بم اس مشین میں آج صبح رکھا گیا تھا..... کیا سمجھے..... مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی گارس اس ہوجس کیلئے ساری دنیا حیران ہے..... مگر یار میں نا حق یہ کہہ رہا ہوں اگر مجھے تمہارا وہ ہاتھی نامٹا نہیں اور وہ چھڑی تسلی تو میں بھی انہیں ہی میں روہتا۔“

وہ قیدیوں کو لے کر عمارت کے طبقے کے قریب آئے۔ ڈائری کا خیال فضول ہی تھا اس کی تو دھیاں اڑ گئی ہوں گی۔

حمداب بھی سوچ رہا تھا کہ اس ڈائری میں کیا تھا اور اس کا علم گارس اس کو کس طرح ہوا تھا۔ کیا اسی میں اس گیس کا فارمولہ درج تھا؟

”یہ گاؤں.....!“ فریدی گہری وادی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”آج سے چھ سال قبل آباد تھا۔ بدھ نہب کے لوگوں کی آبادی تھی۔ اچاک ہیضہ پھیلا اور پورا گاؤں صاف ہو گیا اور

جوئے گئے..... پھر انہوں نے اُدھر کا رخ نہ کیا۔“
کارواں چل پڑا۔

قیدی آگے تھے اور وہ تینوں ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں روپا اور
تھے۔ ایڈنا کے ہاتھ بھی انور نے اپنی ٹائی سے باندھ دیئے تھے۔ قیدی سر جھکائے چل رہے
تھے۔ ان کی چال سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ سب اپنے کسی خاص عزیز کو فن کر کے قبرستان
سے لوٹ رہے ہوں۔

”بیکہ داستان تو رہ ہی گئی۔“ انور پھنس کر بولا۔

”بیکہ داستان مجھے معلوم ہے۔“ فریڈرک بیان دے کر رہا ہے۔ اس
کے بیان سے میں نے جوناں اخذ کئے ہیں میرے خیال سے وہ غلط نہیں۔ پروفیسر چودھری کو
فن کر دینے کے بعد گارسیاں عرصہ تک اس خیال میں رہا کہ چودھری نے اس فارموں سے
متعلق کوئی تحریر ضرور چھوڑی ہوگی۔ فریڈرک اور ہلاڑ چودھری کی ٹلاش میں رہے۔ ان کا خیال
تھا کہ وہ کہیں روپوش ہو گیا۔ ہلاڑ بہت بڑا عمار تھا۔ اس نے کسی طرح چودھری کے استثن
سے یہ معلوم کر لیا کہ چودھری کے سارے فارموں اس کی ڈائری میں رہا کرتے تھے۔ لیکن وہ
بھی اسی خیال میں تھا کہ چودھری ان کے خوف سے کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ لہذا وہ اپنی ڈائری
بھی اپنے ساتھ لے گیا ہو گا۔ اس کے برخلاف جب اس ڈائری کا علم گارسیاں کو ہوا تو اس نے
چودھری کی کوئی میں اس کی ٹلاش شروع کر دی اور پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ ہلاڑ اور فریڈرک
بھی چودھری کا چکر چھوڑ کر اسی ڈائری کی فلر میں پڑ گئے ہیں تو اس نے چودھری کے بھوت کا
ڈھونگ رچایا تاکہ کم از کم چودھری کے گھروں اس کی سرگرمیوں میں حارج نہ ہو سکیں۔ چودھری
کے استثن نے دو ماہ تک اس کا انتظار کیا۔ پھر اس نے پروفیسر درانی کے بیہاں ملازمت
کر لی۔ اس کا وہ سیکریتی جو لاپتہ ہے وہی تھا۔ لاپتہ کیا..... وہ بیچارہ بھی اب اس دنیا میں نہیں۔“
”کیوں اسے کیا ہوا.....؟“ اور چوک کر بولا۔

”ہلاڑ نے اسے بھی ختم کر دیا۔“ فریڈرک نے کہا۔ ”فریڈرک سائے کی طرح ہلاڑ کے
پیچے لگا رہتا تھا اور اسے اس کے متعلق سب کچھ معلوم تھا۔ وہ اس کے معمولی سے معمولی پروگرام

سے واقع رہتا تھا۔ ہاں تو پروفیسر درانی کو اپنے سیکریٹری پر بڑا اختیار تھا جس دن اس کوئی سے
چودھری کا پنج برا آمد ہوا تھا اسی دن شاید اسی خبر سے متاثر ہو کر درانی نے سیکریٹری کو بتایا کہ
چودھری نے اپنی گشادگی سے دو دن قبل اسے اپنی ڈائری وی تھی اور کہا تھا کہ وہ اسے حفاظت
سے رکھے کیونکہ اسے ان لوگوں میں کچھ غیر ملکی جاسوسوں کا شبہ ہو گیا تھا، جو اسے اس کے ماح
بن کر گھیرے رہا کرتے تھے۔ سیکریٹری خود بھی عرصے سے اس ڈائری کی ٹلاش میں تھا۔ اس وقت
اس نے درانی سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی۔ اسی دن اتفاق سے اس کی ملاقات ہلاڑ سے
ہو گئی۔ وہ اسے ایک جرم سائنسدان کی حیثیت سے جانتا تھا۔ اس نے اسے اکثر چودھری کے
ساتھ بھی دیکھا تھا۔ غالباً اس نے سوچا ہو گا اگر اسے ڈائری میں بھی گئی تو وہ کہاں اس کا سودا کرتا
چھرے گا کیوں نہ اس کا تذکرہ اس جرم سائنسدان سے کرے۔ لہذا اس نے ہلاڑ سے اس کا
تذکرہ کیا۔ وہ تو تھا ہی اسی چکر میں۔ معاملہ بچیں ہزار پر طے ہو گیا اور دونوں نے اسے پروفیسر
درانی کی کوئی میں ٹلاش کرنے کی اسکیم بنائی۔ لیکن بھلا ہلاڑ سے کس طرح گوارا کر لیتا کہ اس
رازو میں اس کا کوئی شریک بھی ہو۔ اس کے لئے اتنی ہی اطلاع کافی تھی کہ وہ ڈائری پروفیسر
درانی کی کوئی میں موجود ہے۔ اس نے اسی شام کو پروفیسر درانی کے سیکریٹری کو ملھکانے لگا دیا۔
فریڈرک نے اس جگہ کی نشاندہی کی تھی جہاں اس کی لاش فن کی تھی۔ میں تو اُدھر پھنس گیا
لیکن مجھے یقین ہے کہ پولیس نے اسے برآمد کر لیا ہو گا۔“

فریڈری خاموش ہو کر سگار لگانے لگا۔ وہ ابھی تک شیفر ڈھنی کے بھیس میں تھا اور اس کی
ٹاک پر پئی بندگی ہوئی تھی۔ انور نے بھی اپنامیک اپنیں بگاڑا تھا۔

”ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا.....؟“ وہ ٹھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ٹھیک ہے..... اسی رات کو
ہلاڑ پروفیسر کی کوئی میں گھس۔ فریڈرک بھی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ اگر وہ
ڈائری ہلاڑ کے ہاتھ لگ بھی گئی تو وہ اسے اس سے بذور حاصل کر لے گا۔ لیکن وہ اس تیسری
پارٹی سے ٹائف ضرور تھا۔ جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ مرتبے دم تک اسے اس کا علم
نہ ہو سکا کہ تیسری پارٹی کا تعلق گارسیاں سے تھا۔ بہر حال ہلاڑ اس کی ٹلاش میں تھا کہ اس کی
ٹیکسٹری درانی سے ہو گئی۔ وہ اس کی خواب گاہ میں گھس گیا تھا۔ وہیں اسے پروفیسر سے دوچار ہوں

پڑا اور پھر اس نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اسے قتل کر دیا۔ دوسری رات کو ہلاڑ نے ڈاری کا پتہ لگالیا..... اور اس کے بعد تو تم جانتے ہی ہو۔“

”اس کا فسوس ہے کہ وہ ڈاری ضائع ہو گئی۔“ حمید بولا۔

”مجھے قلی افسوس نہیں۔ اس کا ضائع ہو جانا ہی اچھا ہوا۔ کیونکہ آدمی ابھی ارتقا کی اس منزل پر نہیں پہنچا جہاں پر فرشتے کا گمان ہو سکے۔“

حمدیہ اکتا ہے میں بتلا ہو جانے کے خوف سے اپنا ذہن ادھر ادھر ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر ایڈنا کے ساتھ ساتھ چلتے لگا۔

”بیلوڈار لنگ..... اب ہم لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے کیا میں اب بھی تمہیں باش میں بھینگا ہوا الٰم معلوم ہوتا ہوں؟“

”شہ اپ.....!“ وہ بھتنا کر بولی۔

”خواہ خواہ تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

”خدا کے لئے مجھے پریشان مت کرو۔“

ایڈنا چلتے چلتے رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ”کیا بات ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”یا تو اس سے میرا پیچھا چھڑاؤ..... یا مجھے گولی مار دو۔“

”اچھا..... چلو..... تم آگے چلو۔“ فریدی نے اس سے کہا اور حمید کی گردان پکڑ لی۔

”دیکھنے..... خدا کی قسم آپ ہر محاذ میں ناگ نہ اڑایا کیجئے۔“

”کیوں پریشان کر رہا ہے اسے؟“

”کیوں؟“ حمید جلا کر بولا۔ ”کیا اسے منجھے کرنے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسا خیال ہے تو میرے باپ کو بھی فرزندی میں قبول فرمائیے۔“

اور اس کی پیٹھ پر ایک دھول جما کر ہنسنے لگا۔

ختم شد